Nawa-e-Sufia
International

نوائے صوفیہ

1 YEAR
ANNIVERSARY
Publishing

شمارہ 132 جولائی 2020ء



احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹر نیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضان نظر حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

شمارہ: 142 مئی 2021ء

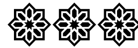
مدیر اعلیٰ	غلام حسن حسنو
چیف کمپوزر	حبیب اللہ کھربوہ کرگل لداخ
کمپوزر	محمد ابراہیم چھوربٹ سکردو
بتعاون	شعبہ نشرواشاعت علماء سپریم کونسل
ناشر	شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف
ویب سائیٹ	com۔nawaisofia۔www
فیس بک	com/nawaesofia۔facebook۔www
ای میل	com۔articles@nawaisofia

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل ایپلی کیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔

ادارے کا مضمون نگاروں کے رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔



فہرست مضامین



اداریہ

تذکر و تفکر

غلام حسن حسنو

الحمد للہ ! ماہنامہ نوائے صوفیہ آن لائین کا بارہواں شمارہ نذر قارئین ہے۔بلا کسی تعطل کے مسلسل گیارہ شماروں کی تیاری اورآج مسلسل اشاعت کے ایک سال مکمل ہونے پر ہم اللہ رب العزت کے حضور سراپاسجدہ ریزہیں۔ کیونکہ ہم میں کوئی توانائی ہے نہ ہی کوئی ہمارامدد گاراور نہ ہی کوئی غمگسار۔اس افراتفری کے عالم میں بس اسی کا فضل و کرم اوراسی کے آسرے پر یہ سب کچھ چل رہا ہے۔ ہم نے اسی کی توفیق کے بل بوتے اوراسی کے فضل و کرم کے بھروسے پر جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، وہی اب تک ہمیں اپنے مقاصد اور اہداف میں سرخرو فرمارہے ہیں۔ اس دوران ہم نے محسن ملت سید جمال الدین اور الحاج صوفی غلام محمد سیر مکی رحمۃ اللہ علیہا نمبر بھی نہ صرف آن لائین شائع کیے بلکہ انہیں بروقت پرنٹ نکالنے میں بھی کامیاب ہوئے۔اس کامیابی پر ہم اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا شکر ادا کرتے ہیں۔



عالمی وبا کرونا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اب تک پوری دنیا میں موجود اور تباہی و بربادی کا سلسلہ جاری وساری ہے۔وطن عزیز میں کرونا کی تیسری لہر آئی ہوئی ہے ایک جانب کرونا کی ویکسین لگانے کا سلسلہ جاری ہے دوسری جانب گذشتہ سال کے مقابلے میں اس سال اس کی شدت میں زیادہ تیزی ہے حتیٰ کہ وطن عزیز کی صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی، پارلیمانی حکومتی سربراہ عمران خان اور ان کی اہلیہ بھی اس میں مبتلا ہوئے

اور بفضل الٰہی کورونا کو شکست دے کر صحتیاب ہو گئے ہیں لیکن ملک بھر میں وبا کی مہلک کارستانی مزید بڑھ گئی ہے۔ ہمارے سیاستباز PDM کے پلیٹ فارم سے وقتی طور پر خاموش تھے مگر اب وہ بھی پر پرزے نکالنے لگے ہیں "آ بیل مجھے مار" کے مصداق جلسے جلوس کرنے اور ریلیاں نکالنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ادھر پوری دنیا اس مرض سے بچنے کے آسان ترین نسخے SOP پر عمل کر رہی ہے اور ویکسین کی تیاری کے بعد ٹیکہ کاری مکمل کر رہے ہیں جس کی وجہ سے وبا میں زبردست کمی آئی ہے لیکن ہمارے لوگ اس وبا کو سنجیدہ لینے کو بھی تیار نہیں ٹیکہ کاری کا عمل شروع ہونے کے تقریباً ایک مہینہ بعد راقم الحروف ٹیکہ لگوانے DHQ ہسپتال خپلو گیا تو میڈیکل عملہ سمیت صرف 372 افراد نے ٹیکہ لگوایا تھا یہ اس بات کی غماز ہے کہ ہم اس کیس کو سنجیدہ نہیں لے رہے حالانکہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں صورت حال انتہائی خطرناک شکل اختیار کر گئی ہے جبکہ ہمارے لوگ اس سلسلے میں نہ صرف تساہل برت رہے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں جس کے نتیجے میں کیس بڑھ رہا ہے لیکن افسوس سیاستباز اور عوام الناس دونوں ہوش کے ناخن لینے کو تیار نہیں۔

اگرچہ وطن عزیز میں کورونا کی تیسری لہر نے پریشان کن حالات پیدا کیے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صوبہ گلگت بلتستان میں کرونا کی صورت حال مخدوش نہیں ہمارے ہاں تمام تعلیمی ادارے کھلے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان میں مکمل SOP کے ساتھ تعلیم بھی جاری و ساری ہے۔ تعلیمی اداروں میں سالانہ اُمت حانات ہو رہے ہیں اور گذشتہ سال تعلیم کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کورونا کی پہلی اور دوسری لہر سے ہمیں بچایا ہے، تیسری لہر سے بھی بچائے۔ آمین یارب العالمین۔

ماہ صیام اپنی تمام تر رعنائیوں اور فیوض و برکات کے ساتھ سایہ فگن ہے اور فرزندان توحید اپنے اپنے ظرف اور ترجیحات کے عین مطابق اپنا اپنا دامن مراد بھرنے میں لگے ہوئے ہیں اگرچہ مہنگائی نے ہر اشیائے

صرف کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم جہاں رہتے ہیں یہاں اگر آدمی دانائی، کفایت شعاری اور اپنے چادر کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنے کی عادت اپنائے تو یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے البتہ اشرافیہ کے طور طریقوں کو اپنانے اور ان کی نقل اتار کر مصنوعی زندگی گزارنے کا جتن کرے تو اس کے لیے مہنگائی سے کوئی مفر نہیں ہے۔

اس ماہ مبارک میں ہمیں درج ذیل کام کرنے ہونگے۔

۱۔ روزے کو حقیقی معنوں میں روزہ بنانا ہو گا خوردونوش اور جائز جنسی عمل سے بچنے کے ساتھ ساتھ اعضاوجوارح اور قلب و نظر کو بھی خواہشات سے پاک وصاف بنانا حقیقی روزہ ہے۔

۲۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا خصوصی اہتمام کرے۔

۳۔ غریبوں، ناداروں اور بے وسیلہ لوگوں کا خاص خیال رکھے۔

۴۔ بہتر ہے بنکوں میں جمع رقوم کی زکوۃ اسی مہینے میں نکالے نیز عید الفطر سے پہلے پہلے زکوۃ الفطر ادا کرے۔

۵۔ غریبوں، ناداروں اور سفید پوشوں کی چھپ چھپ کر خوب مدد کرے۔

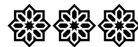
۶۔ دینی اداروں کو درکار ضروری چیزیں فراہم کرے اور مالی مدد دے کر انہیں مضبوط کرے۔

۷۔ ہر مسلمان کے ساتھ برادرانہ سلوک کرے۔

۸۔ غیر ضروری اور فضول کاموں سے بچے۔

۹۔ جان، مال اور وقت کے ضیاع سے احتراز کرے۔

۱۰۔ ملک سے وفادار رہے اور ملکی قوانین کی پاسداری کرے۔



القرآن

تفسیر نجم القرآن

حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

رکوعاتھا ۳	سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ	اٰیاتھا ٦٢

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نہجِ خطاب

اے تاروں کے پیٹھ پھیرتے وقت تسبیح پڑھنے والے! تُو حقیقی تارے کے اترتے وقت تسبیح کیا کر، کیونکہ حقیقی تارا ہی تو ہے جو محلِ قسم بنا ہے۔ چنانچہ کتابِ محکم میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰىۙ ۝۱ قسم ہے تارے کی جب اترے۔

تفسیرِ بطن: یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہونے والے لطیفۂ حقیہ کی قسم!

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰىۚ ۝۲ نہ تمہارا ساتھی بھٹک گیا اور نہ راستے سے نکل گیا۔

تفسیرِ بطن: یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کا جو طریقہ اپنایا ہے اس میں آپ بھٹکے نہیں ہیں اور نہ ہی امر و نہی کے معاملہ میں کجروی کا شکار ہوئے ہیں۔

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ ۝۳ اور وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا۔

تفسیرِ بطن: یعنی آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہشات کی بات کبھی نہیں کرتے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ یہ وحی کے سوا کچھ نہیں جو ان کو ہو رہی ہے۔

تفسیرِ بطن: یعنی آپ ﷺ کی ہر گفتگو اور کلام اللہ تعالیٰ کی وحی کے سوا کچھ نہیں ہے جو آپ ﷺ کی طرف ہو رہی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾ اس کو سخت قوتوں والے نے سکھایا ہے۔

تفسیرِ بطن: یعنی آپ ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام نے سکھایا ہے جسے امین الوحی ہونے کا شرف حاصل ہے اور فیضان حق میں سے آپ ﷺ کے حصے کا بھی وہی امین ہے۔

اے جہانِ انفس کے راہرو! جان لے، کہ بے شک اللہ نے تیرے اندر وہ لطیفۂ حقیہ ودیعت کر رکھا ہے جو لطائف قالبیہ، نفسیہ، قلبیہ، سرّیہ، روحیہ اور خفیہ اور ان کے قوٰی کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ نفس کے تزکیہ اور قلب کے تصفیہ کے وقت تجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس واردات کا فیضان ہوتا ہے، اس کی تعلیم تجھے قوتِ روحانیہ دے رہی ہوتی ہے اور جو شیطان پر بڑی سخت ہے۔

ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾ زور والا ہے۔ پس سیدھا رہا۔

تفسیرِ بطن: یعنی وہ برابر برابر معتدل قوت والا ہے۔ حق تعالیٰ کے حکم سے لطیفۂ حقیہ کے آگے سیدھا کھڑا رہا۔

افقِ اعلیٰ

وَ هُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ﴿۷﴾ اور وہ بلند کنارے پر تھا۔

تفسیرِ بطن: یعنی جب جبرئیل علیہ السلام سیدھے کھڑے ہوئے تو حضرت محمد ﷺ افقِ اعلیٰ پر فائز تھے۔ افق اعلیٰ حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی روحانیت کو حاصل ہے۔ تمام آفاق میں برترترین افق آپ ﷺ ہی کا افق ہے۔ ہر لطیفہ کا ایک افق اس کے اوپر والے افق کے اعتبار سے ہے اور ایک افق اس کے نیچے والے افق کے اعتبار سے۔ پس حضرت محمد ﷺ کے دو افق ہیں۔ ایک اوپر والا جو ذاتِ حق سے وابستہ ہے۔ اسے الافق المبین کہتے ہیں۔ دوسرا نیچے کی جانب جس کا تعلق خلق سے ہے، اسے الافق الاعلیٰ کہتے ہیں، کیونکہ مخلوقات کے آفاق میں آپ ﷺ ہی کا افق سب سے برتر ہے۔ لطائف کی رسائی کی انتہا اسی پر ہے۔

اسی طرح (اے سالکِ راہ!) تیرے اپنے لطیفۂ حقیہ کے بھی دو افق ہیں، ان دونوں کی اپنے اندر طلب پیدا کر اور حق تعالیٰ کا بلاواسطہ فیض افق المبین کی جانب سے پانے کی خوب کوشش کر۔ پس خوردہ طعام پر قناعت نہ کر، تاکہ تیرا شمار نیچے کی جانب سے کھانے والوں میں نہ ہو۔ بلند ہمت والا بن تاکہ اوپر سے بھی، نیچے سے بھی اور ہر طرف سے تجھے تناول کرنے کو ملے۔ خود اپنی ذات سے ہی غذائے روحانی کے تناول کا موقع ملنا اس وقت تک کسی کے لیے ممکن نہیں جب تک وہ ذاتِ واحدہ کو رسائی پاکر اس میں فنا نہ ہو جائے۔ ذاتِ حق میں فنا ہونا مطلعِ قرآن کے دروازے پر دستک دینا ہے اور مجھے اس دروازے کو بند رکھنے کا حکم ہے۔

لطیفۂ حقیہ کا نزول

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ پھر نزدیک ہوا، پس لٹک آیا۔

تفسیرِ بطن: یعنی سخت قوت والا جبرئیل لطیفۂ حقیہ یعنی حضرت محمد ﷺ پر اتر آیا اور آپ کے قریب ہوا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾ پس دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔

تفسیرِ بطن: یعنی صرف دو کمانوں کی مقدار کا فرق تھا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک تھا۔ اے سالک! سمجھ لے کہ بے شک لطیفۂ حقیہ حق تعالیٰ کے قریب ہوا، وہ لطیفہ افقِ ازل سے افقِ ابد پر اتر آیا، یہاں تک کہ افقِ ازل کا افقِ ابد سے اتصال ہو گیا۔

"قَابَ قَوْسَيْنِ" سے عبارت یہی حقیقت ہے۔ "اَوْ اَدْنٰى" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب کمان کو زور سے کھینچا جائے تو اس وقت اس کے دونوں سرے ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ عبارت اور اشارت اس بات پر دال ہیں کہ لطیفۂ حقیہ کو حق تعالیٰ کے قرب میں اس حد تک رسائی حاصل ہو گئی جس سے تجاوز کرنے کی کسی کے لیے گنجائش نہیں اور جس بیان کا اشارہ مفسرین نے کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صورت کو دیکھا کہ اس نے پورے افق کو ڈھانپ لیا ہے وہ بیان بالکل سچا ہے اور واقعے کے مطابق ہے لیکن لطیفۂ جبرائیلیہ اور افق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ جانے کہ اس کی صورت نے افق کو کیسے ڈھانپ لیا؟ اور افق کو ڈھانپ لینے کے کیا معنی ہیں؟ ان چیزوں کے حقائق کا تعلق حد قرآن سے ہے، جس کی تفسیر کی مجھے اِذن نہیں ہے۔ تو تُو بطنِ قرآن کی تفسیر سے اپنے باطن کا حصہ اور ظہرِ قرآن کی تفسیر سے اپنے ظاہر کا نصیبہ لے

لے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے منشاء کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے فرامین کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا۔

وحی سری اور وحی جہری

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ پس اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی، جو بھیجی۔

تفسیرِ بطن: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس خاص مقام پر اپنے خاص بندے حضرت محمد ﷺ پر وحی بھیجی۔ اس مقام سے میری مراد مقام قربٰی وزلفٰی ہے۔ یہاں پر جو وحی ہوئی وہ جہری تھی۔ اس سے قبل جو وحی ہوئی وہ سری تھی۔ سری وحی کا تعلق کشف سے ہوتا ہے جبکہ جہری وحی کا مشاہدہ سے۔ بالفاظ دیگر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سالک کے سرّ کو آغازِ کار میں بصورتِ کشف سری الہام کیا، پھر بارگاہِ مشاہدہ میں اس کی باریابی کے بعد بطور مشاہدہ جہری الہام کیا تا کہ حالت کشف کے سرّی الہام کا حالت شہود کے جہری الہام کے ذریعے حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہونے میں سالک کو یقین کامل حاصل ہو۔ یہ وہی طریقہ ہے جو سیر وسلوک میں اصحابِ وصول کے ہاں بالکل واضح ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ دل محمد ﷺ نے جو دیکھا جھوٹ نہیں بولا۔

تفسیرِ بطن: یعنی آلودہ قوت کے لیے یہ ممکن نہیں کہ حالتِ شہود میں دل پر ہونے والی وحی کی تکذیب کرے۔ ہاں حالتِ کشف میں اس کا دخل اتنا تھا کہ دل میں شیطانی القاء کے ذریعے شکوک وشبہات پیدا کر سکتی تھی۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ﴿۱۲﴾ کیا تم اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے (مشاہدہ میں) دیکھا۔

تفسیرِ بطن: یعنی اپنی قوتوں سے کہہ دیجیے کیا تم اس چیز پر لطیفۂ حقیہ کی مخالفت کرتی اور جھگڑتی ہو جو اس نے عالم شہود میں دیکھی۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ یقیناً آپ نے اُسے ایک اور دفعہ اُترتے ہوئے دیکھا ہے۔

تفسیرِ بطن: یعنی افقِ اعلیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ پر اترنے کے بعد لطیفۂ حقیہ نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ جیسے افقِ اعلیٰ کا تعلق عالم خفی سے ہے، ایسے ہی سدرۃ المنتہیٰ کا تعلق عالم روحی سے ہے، جہاں جنت الماویٰ موجود ہے،

چنانچہ ارشاد ہوا:

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿١٥﴾

سدرۃ المنتہٰی کے پاس، جس کے نزدیک جنت الماوٰی ہے۔

تفسیر بطن: سدرۃ المنتہٰی کی تفسیر میں جو کچھ اہلِ ظاہر نے ذکر کیا ہے وہ سب بالکل حق ہے۔ سالک کو چاہیے کہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اپنی روحانی معراج کے وقت اس کا مشاہدہ کرے۔

جنت الماوٰی کے کاشتکار

جنت الماوٰی آج بھی موجود ہے بلکہ تیرے پہلو میں ہے۔ پس اگر تُو نے اس کی آباد کاری کی ہے اور اعمالِ صالحہ کے بیج ڈالے ہیں تو یہی تمہاری جنت ہے، جس میں تیری ابدی زندگی نعمت و عشرت پائے گی اور اگر اس میں غلط افکار اور برے کردار کی تخم ریزی کرے تو یہی تیرا دوزخ ہے۔ یہ بھی تیرے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ دونوں سدرۃ المنتہٰی میں پائے جاتے ہیں۔

سدرۃ المنتہٰی

لوگوں میں سے بعض کو ایک سدرۃ المنتہٰی حاصل ہے جس پر ان کے سیر و سلوک کی انتہا ہوتی ہے یہاں سے آگے نکل جانا کسی کے بس کی بات نہیں مگر اللہ کے جو خصوصی مجذوبین ہیں وہ اس کے لطف و کرم کی کشش اور جذبات کی بنا پر سدرۃ المنتہٰی سے بھی آگے بڑھتے ہیں، جیسا کہ صادق و امین رسول ﷺ نے اپنے اس فرمان میں ہمیں خبردار کیا ہے:

جَذْبَةٌ مِنْ جَذْبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِيْ عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔[1] حق کا ایک جذبہ جن وانس کے عمل کے ہم پلہ ہے۔ کیونکہ ہر عمل کرنے والا اپنے عمل کے ذریعے سدرۃ المنتہٰی تک تو پہنچ سکتا ہے۔ عمل کے بل بوتے پر اس سے آگے بڑھنے کا اس کے لیے امکان نہیں ہے۔ عمل کا تعلق تو عامل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق اور جذبہ کے بغیر کوئی شخص اپنے عمل کے سہارے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مخلوق اپنے عمل کے بل بوتے پر اپنے سدرۃ المنتہٰی تک رسائی پاتی ہے جو خود بھی ایک مخلوق ہے۔ پس تُو آج اپنی استعداد اور صلاحیتوں کے

[1] ذکرہ العجلونی فی کشف (۱/۳۳۲)

سدرۃ المنتہیٰ کو پہنچنے اور وہاں جو کچھ تیرے لیے تیار ہے اس کا مشاہدہ کرنے کی خوب جدوجہد کر، مگر اس کی طرف بالکل دھیان نہ دے اور جبروتی بارگاہ کی جانب کلی توجہ دے کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ اور یہاں کی سب چیزیں ملکوتی ہیں۔

نورِ عزت سے عالم جبروت کا نظارہ

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ سدرۃ المنتہیٰ پر جو کچھ چھا رہا تھا، چھا رہا ہے۔

تفسیرِ بطن: یہ نورِ عزت تھا جو سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا۔ اس کے طفیل سے بارگاہِ جبروتی میں رہبری ہوتی ہے۔ اگر تُو سدرۃ المنتہیٰ میں پائے جانے والی نعمتوں اور تماشاؤں کی طرف راغب ہو گیا اور وہاں کی پاکیزہ دل لگیوں میں لگ گیا تو عالم جبروت کی ان نعمتوں سے محروم رہے گا جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔ لہٰذا جیسے پیارے نبی ﷺ نے یہاں پہنچنے کے بعد ہمت کو رفعت بخشی تھی ایسے ہی تُو بھی اپنی ہمت کو بلند رکھ۔

نگاہِ نبوت

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

تفسیرِ بطن: نبی کریم ﷺ کی نگاہ کج نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے نہ جنت اور اس کی رنگینیوں کی طرف توجہ دی اور نہ دوزخ اور اس میں موجود سزاؤں کی جانب دھیان دیا۔ آپ ﷺ کی نظر ذاتِ حق پر ہی لگی رہی۔ قدم نبوت صراطِ مستقیم پر سے ہٹا ہے اور نہ ہی سیر الی اللہ کے دوران کہیں لغزش کھائی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کو جذبۂ حق نے آ پکڑا اور عالم جبروت میں پہنچا دیا۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ﴿۱۸﴾ بے شک اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

تفسیرِ بطن: حضرت علقمہؒ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک سبز رنگ کا رفرف دیکھا جو آسمان کے کنارے سے بندھا ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہمارے مقصد کے قریب تر ہے کیونکہ رفرف کا تعلق جذبہ سے ہے اور سبز رنگ کو اخصّ الالوان ہونے کا شرف حاصل ہے

جو غیب الغیوب کے پردے کے لیے مخصوص ہے اور اس سے آسمان کے کناروں کو بند کرنے کی جانب جو اشارہ کیاہے وہ عالم مشاہدہ بالکل درست ہے۔ جس کسی کو جذبہ حق کا شرف حاصل ہو جائے اسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول کی سچائی کا واقعی علم ہو جائے گا۔

غفلت وجہالت کی قباحتیں

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾

بھلا تم نے دیکھا لات اور عزّیٰ کو اور تیسرے درجہ والا منات کو جو بہت دور ہے۔

تفسیرِ بطن: یعنی اے قالبی لات کی، نفسانی عزیٰ کی اور ہوا وہوس کی منات کی قوتو! کیا تم نے اسی لات ومنات و عزیٰ کو خدا کی بیٹیاں گردانا ہے؟ بالفاظ دیگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ ناپاک لطائف لطیفۂ حقیہ کی ودیعتیں ہیں اور الہٰیت کے ثمرات ہیں اور ان کی خدا تعالیٰ کی طرف نسبت اس کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے کرتی ہو۔ کیونکہ تم یہ مشاہدہ کر رہی ہو کہ یہ لطائف ہیں اور ظاہری شکل وصورت کے حوالے سے عورت ہیں۔ تمہارا یوں نسبت دینا ذاتِ حق کی بابت تمہاری کوتاہ علمی اور جہالت کی بنا پر ہے۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ کیا تمہارے بیٹے ہی ہیں اور اس کے واسطے صرف بیٹیاں؟

تفسیرِ بطن: اے غفلت وجہالت کے مارو! جب تم نے لطائف کو حق تعالیٰ سے منسوب کر ہی دیا تو کیوں کر بیٹیوں کی نسبت اس سے دی ہے؟ اس نسبت کی رُو سے تمہارے صرف بیٹے ہوئے اور حق تعالیٰ کی صرف بیٹیاں۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ تقسیم کا یہ عمل تو بہت بھونڈا ہے۔

تفسیرِ بطن: یہ جو تم نے حصے کیے ہیں انتہائی نامناسب اور ظالمانہ ہیں کہ اپنے خالق سے اس چیز کی نسبت دے جو خود تمہیں ناپسند ہے۔

جاری ہیں۔



القرآن

تفسیر جامع التنزیل والتاویل

شیخ حسام الدین بدلیسی نور بخشیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدیؔ منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

با اور اللہ (اسم جلالت) کے درمیان اسم لانے کی حکمت

پہلی حکمت: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں باء اور اللہ کے درمیان اسم لایا گیا ہے جو تمام اسماء وصفات الٰہیہ کا جامع اسم ذات ہے اور اس میں عام کی اضاضت خاص کی طرف ہے۔ یہ قرآن مجید کے قاری پر باور کرانے کے لیے ہے کہ وہ عناصر اربعہ (آب وآتش، باد وخاک) کی چھا جانے والی تاریکیوں سے گھیرے ہوئے ہیں۔ جسمانی کمزوریوں اور ظلمانی چکا چوند سے گھیرے ہوئے انسان مادی کمزوریوں اور ظلمانی قیود و حدود سے پاک وپاکیزہ اللہ سے بہت دور ہے۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان مناسبت اور وسیلہ وزریعہ کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ باء اور اللہ کے درمیان اسم لایا گیا ہے اور یہ اعلان کہ اسم عین مسمیٰ ہے سو اس صورت میں اضافت بیانیہ ہو گی۔ اس پر اللہ کا فرمان:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا (البقرہ: آیہ ۳۱)

اور اللہ نے آدم علیہ السّلام کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے۔

دلالت کرتا ہے کہ

دوسری حکمت: دوسری حکمت یہ ہے کہ اس بات کا اعلان ہے کہ ممکن الوجود، متلاشی حق، راہ حق کے مسافر اور راغب (حق تعالیٰ کی رغبت رکھنے والے) بندے اور حق تعالیٰ واجب الوجود کے درمیان مشاہدہ حق اور معرفت حق کے مرتبے کے حصول کے لیے واسطہ وذریعہ ہونا ضروری ولابدی ہے۔ جیسے انبیاء ورسل اور اولیاء اسی طرح اسم افاضہ وافادہ کے سلسلہ میں واسطہ وذریعہ ہے اور غیریت کی آمیزش سے پاک ذات اسم اور صفت کے بغیر اثر (فیضان حق) نہیں دیتی۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کمالات کے اظہار کے لیے اس کی ذات کافی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اعلیٰ مقام میں کسی غیر کے وجود کا وہ محتاج نہیں۔ اس کی ذات کی نسبت سے ہے ہماری نسبت سے نہیں ہے۔ وہ اللہ ایک ہی حالت میں ہے جس میں نہ حقیقت واعتبار میں تغیر وتبدل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے ذاتی وصفاتی اسماء میں۔

(جاری ہے)

فقہ

شرح فقہ احوط

مفتی علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(مطب یہ ہے وضو میں دل کے ساتھ ساتھ زبان پر نیت کے الفاظ جاری ہو جائے تو یہ درست سمجھی جائے گی لیکن بہتر ہونے کا حکم نہیں ہے۔ گویا کہ نیت کی کل چار صورتیں ہوئی۔)

ارباب ذوق کا اصرار:

شمارہ نمبر ۱۴۱ میں وضوء میں پاؤں کا حکم اور تحقیق و حوالہ جات کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد اہل ذوق نے نہ صرف سراہا بلکہ داد تحقیق دینے کے ساتھ ساتھ تقاضا کیا کہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے تو سونے پہ سہاگہ ہو گا اور صوفی مفسرین کی عبارتیں نقل کی جائیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مصداق ٹھہرے گا۔

راقم ان احباب کے اصرار کو ٹھکرا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے مناسب سمجھا کہ یہاں پر وضو میں پاؤں کے مسح اور غسل سے متعلق حضرت شیخ حسام الدین بدلیسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر جامع التنزیل والتاویل کی عبارت نذر قارئین کرے۔ تاکہ میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی متعبین اور روشِ نوربخشیہ کی میراث پانے والوں کو میر سید محمد نوربخش علیہ الرحمہ کی فقہی عبارت کا مفہوم خود انہی کی صحبت وتربیت یافتہ کسی مرشد کامل کی عبارت سے واضح ہو جائے۔

نوربخشی تاریخ میں بدلیسی کا مقام:

واضح رہے کہ حضرت میر سید محمد نوربخش قدس اللہ سرّہٗ کی یہ عادت تھی کہ نو آموز مریدین کو پہلے حضرت شیخ

شہاب الدین الجورانی کے زیر تربیت رکھتے ان کی تربیت کے زیر اثر فیض پانے کے بعد ان کو اپنی صحبت میں لے کر مقامات ولایت میں اوج کمال پہنچاتے چنانچہ حضرت میر سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالۃ الھدیٰ کے جزء ثانی فالذین قاموا من ذیل ولایتی۔"وہ اولیاء کرام جنھوں نے میرے دامن ولایت میں تربیت پاکر روشِ نور بخشیہ کو پھیلانے کے لیے قیام کیا" کے تسلسل میں فرماتے ہیں:

مِنْھُمْ شَھَابُ الدِّیْنِ الْجَوْرَانِیُّ قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کان من کمّل الاولیآء المرشدین المتّصفین بجمیع الصّفات المعنویۃ من الاطوار و الانوار و المکاشفات الصوریۃ و المشاھدات المعنویۃ وَ التّجلیات العلیۃِ من الاثار و الافعال والصّفات والذات والمظھریۃ الکلیۃ وَالسُّکر والفنآء و البقآء و التعبیرات الغریبۃ وھو ربّما کثیرًا من الذین و صلوا الیٰ مقام الکمل و یشتغلون بالارشاد و کان من انابتہ علیٰ یدی الی ارتحالہ من الدّنیا ثلاثون سنۃ تقریبا ولم یمش خطوۃ فی ھٰذہ المدۃ من غیر اذنی و ارادتی و امتاز بالوقار و التمکین والرسوخ فی التقوٰی وثبوت القدم فی الاحوال عن المتقدّمین والمتاخرین من اصحابی وھو کان یحافظ ولدی القاسم طول اللہ تعالیٰ عمرہ من الصبا الی عنفوان الشباب۔[2]

"ان میں سے ایک شیخ شہاب الدین جورانی قدس اللہ سرہ ہیں۔اب ان باکمال اولیائے مرشدین میں سے تھے جو جملہ اطورِ قلبیہ، انوار غیبیہ، مکاشفات صوریہ، مشاہدات معنویہ، افعالی، انسانی، صفاتی اور ذاتی تجلیات عالیہ، کلی مظہریت سکر، فنا فی اللہ و بقا باللہ اور حیران کن واقعات کی تعبیرات جیسے تمام معنوی صفات سے متصف تھے۔

"شہاب الدین الجورانی نے بہت سے ایسے اولیاء کی تربیت کی ہے جو مرتبہ کمال کو رسائی پا چکے ہیں اور ارشاد کا فریضہ انجام دینے میں ہی مشغول ہیں۔میرے ہاتھ پر توبہ و بیعت سے لے کر وفات تک تقریباً تیس سال تک میری صحبت میں رہے ہیں۔اس اثنا میں میری اجازت اور ارادے کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں چلا

2 رسالۃ الھدیٰ قلمی نسخہ کتاب خانہ محمد فاتح ترکی و قلمی نسخہ کتاب خانہ اسد آفندی ترکی

ہے۔ وقار و سنجید گی، تمکین، تقویٰ میں پختگی اور احوال معنوی پر ثابت قدمی کے حوالہ سے میرے تمام اصحاب میں آپ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ آپ میرے فرزند دل بند قاسم (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے) کی بچپن سے لے کر جوانی تک محافظت کرتے رہے ہیں۔"

حضرت میر سید محمد نور بخش قدس اللہ سرّہ نے حضرت شیخ شہاب الدین جورانی قدس اللہ سرہ کی استدعا پر انوار کی حقیقت اور تفصیلات پر مشتمل اپنی کتاب نورالحق کی تصنیف فرمائی تھی۔ چنانچہ اسی نورالحق کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اما بعد شیخ الواصلین، مرشد المرشدین مظہر المکاشفات الملکیۃ والملکوتیۃ مظہر التّجلیات الجبروتیۃ واللاھوتیۃ مربی السالکین شیخ شہاب الدین ادام اللہ تعالیٰ برکات حالاتہ العلیۃ و تجلیاتہ الذاتیۃ والصفاتیۃ پرسید از انوار و تفصیل آن واجب نمود چند کلم نوشتن۔[3]

"حمد و صلوٰۃ کے بعد شیخ الواصلین مرشد المرشدین، مکاشفات ملکی و ملکوتی کے مظہر، تجلیات جبروتی و ذاتی کے آئینہ دار، مربی السالکین حضرت شیخ شہاب الدین (اللہ تعالیٰ آپ کے احوال معنوی کی برکات اور ذاتی و صفاتی تجلیات کو دوام عطا کرے) نے انوار اور ان کی تفصیلات پوچھی تو کچھ کلمات کا لکھنا ضروری ہوا۔"

جیسے حضرت میر سید محمد نور بخش قدس اللہ سرّہٗ نے اپنے بیٹے حضرت شاہ قاسم فیض بخش رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے حضرت شہاب الدین الجورانی رحمۃ اللہ کی زیر تربیت رکھا بعد میں انہیں اپنی صحبت سے کمال تک پہنچایا اسی طرح حضرت شیخ حسام الدین بدلیسی رحمۃ اللہ علیہ بھی پہلے حضرت شہاب الدین الجورانی کی صحبت سے سرفراز ہوئے اور ان نیک ہستیوں کی صف میں شامل ہوئے جن کی شان میں میر سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فالذین قاموا من ذیل ولایتی "یہ وہ اولیاء ہیں جنھوں نے میرے دامن ولایت میں تربیت پا کر روش

3 رسالہ نورالحق قلمی نسخہ کتاب خانہ اسد آفندی ترکی

نوربخش کو فروغ دینے کے لیے قیام کیا۔"

چنانچہ میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ رسالۃ الہدیٰ میں حسام الدین بدلیسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

و منهم حسام الدين البدليسي سلمه الله و زاد فيما راٰهُ، كان عالما بالعلوم الظاهرة عارفا بالمعارف الباطنة موحدا محققا بالاحوال و المقامات و المكاشفات والتجليات و السير في العوالم اللطيفة و الطير في المنازل الشريفة و السكر من الشراب الطهور و بحر النورا والفناء والبقاء و المظرهية، شانه رفيع، ربّاه شهاب الدين الجوراني و هو الاٰن في صحبتي يجلس في الخلوة و يشتغل بحقائق التوحيد و التصوف عندي و العلوم الرياضية عند ولدي القاسم كانت همته عالية يريد الجامعية في الكمالات الانسانية والله يرزُقه ان شاء الله۔

"حسام الدین میرے دامن ولایت سے کمالات حاصل کر کے قیام کرنے والوں میں سے ایک حسام الدین بدلیسی (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آپ نے عالم معنیٰ میں جو کچھ دیکھا ہے اس میں اضافہ کرے) ہیں۔ آپ علوم ظاہری کے عالم، معارف باطن کے عارف و موحد، ولایت کے احوال و مقامات، مکاشفات، تجلیّات، عوالم غیبیہ کی سیر، منازل شریفہ میں پرواز، شراب طہور اور بحار نور کی مستی، فنا فی اللہ، بقاباللہ، مظہریت کلیہ کے حوالے سے اشیاء کی حقیقتوں کی پوری پوری تحقیق کرنے والے تھے۔ آپ کی اونچی شان ہے۔ آپ کی تربیت شہاب الدین جورانی نے کی ہے۔ آپ میری صحبت میں رہ کر خلوت نشینی میں مصروف ہیں۔ مجھ سے حقائق توحید اور اسرار تصوف حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ میرے بیٹے قاسم سے ریاضی کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ بلند ہمت رکھتے ہیں۔ انسانی کمالات کو اپنے اندر جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ان شا اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ انہیں کمالات معنوی سے مالا مال کرے گا۔"

حسام الدین بدلیسی کے بارے میں میر سید محمد نوربخشؒ کے واضح تذکرہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ آپؒ نوربخشیات کو سمجھنے کا ایک بلاواسطہ اور مستند تر ذریعہ ہیں۔ الفقہ احوط کی عبارت میں جہاں کہیں ابہام پایا

جائے یا مرادی معنی کی تعیین میں کئی احتمالات ہوں تو اصلی معنی کو سمجھنے اور ابہام کو دور کرنے میں بدلیسی کی تحریروں سے مدد لی جاسکتی ہے کیونکہ آپؒ کے پاس علم کی جو شمع روشن ہے وہ بلاواسطہ (Direct) میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ کے چراغ سے جلی ہے۔ بدلیسی کی جامع التنزیل و التاویل مختلف حوالوں سے نہ صرف بیسیوں کتب تفاسیر سے بے نیاز کرتی ہے بلکہ نوربخشیات کے اعتبار سے یہ ایک سند سمجھی جاتی ہے۔

گو کہ الفقۃ الاحوط کی عبارت ''وَمَسْحُ الرِّجْلَيْنِ وَغَسْلُهُمَا إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ'' سے کسی ابہام کے بغیر یہ واضح ہے کہ میر سید محمد نوربخش علیہ الرحمہ کے ہاں وضوء میں پاؤں کا مسح اور غسل دونوں واجب ہیں، کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ پھر الفقۃ الاحوط ہی کی عبارت ''وَاَمَّا الْمَسْحُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الْخُفَّيْنِ فَيَكْفِيْ وَلَا حَاجَةَ إِلٰى غَسْلِهِمَا وَ ذَالِكَ بِاَنْ كَانَ الْخُفُّ وَسِيْعًا بِحَيْثُ تَقْدِرُ اَنْ تُدْخِلَ يَدَيْكَ فِي الْخُفَّيْنِ ''(کمپیوٹرائزڈ الفقۃ الاحوط صفحہ ۱۰)

موزوں کے اندر پیروں پر مسح کرنا کافی ہے اور ان کو دھونے کی ضرورت نہیں یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ ہر ایک موزہ ایسا کشادہ ہو کہ ہاتھوں کو ان موزوں میں داخل کر سکتا ہے۔''

یہ عبارت واضح طور پر بتارہی ہے کہ پیروں پر مسح صرف اس صورت میں کافی ہے جب پیر موزوں میں ہوں اور آپ ہاتھوں کو موزوں کے اندر داخل کر کے پیروں پر مسح کر رہے ہوں۔ اگر ایسی صورت نہیں تو پیروں پر مسح کافی نہیں، مسح کے ساتھ ساتھ ان کو دھونا بھی ضروری ہے۔

پیروں پر مسح کے بہانے:

مگر حسب مقولہ ''خوئے بد را بہانہ بسیار است'' جن لوگوں کو الفقۃ الاحوط سے وضو میں پیروں پر مسح ہی کو ثابت کرنے کی پڑی ہے، ان کو الٹے سیدھے بہانے مل ہی جاتے ہیں اور ''اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی'' کے تحت وہ کبھی:

''وَاِنْ كَانَ عَلٰى ظَاهِرِ بَدَنِكَ لَوْثٌ وَجَبَتْ اِزَالَتُهٗ''

”یعنی تیرے ظاہری جسم پر کوئی ناپاکی لگی ہے تو اس کا ازالہ کرنا واجب ہے۔“

کے عمومی حکم سے پیروں کا مسح ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔ اس عبارت کا پیروں کے ساتھ کیا واسطہ؟ اگر وضوء سے پہلے ناپاکی دور کر کے وضو میں پیروں پر مسح ہی کرنا ہے تو پھر اس عبارت کے تحت ہاتھوں اور منہ سے بھی ناپاکی کو وضو سے پہلے دور کر کے وضو میں ان پر مسح کیوں نہیں کرتے؟ اگر اس عبارت کا تعلق طہارت صغریٰ سے ثابت کر کے وضو میں پاؤں کو دھونے کے بجائے ان پر مسح کرنا ہے تو جیسے اس عبارت کا تعلق طہارت صغریٰ سے ہے تو ایسے ہی اس بات کا تعلق طہارت کبریٰ سے بھی ہے۔ طہارت کبریٰ میں بھی غسل سے پہلے بدن سے ناپاکی کو دور کر کے دوران غسل جسم پر مسح کرنا چاہیے۔

اصولی بات یہ ہے کہ وضو میں منہ کا دھونا ہے یا مسح، ہاتھوں کا دھونا ہے یا مسحِ سر کا مسح ہے یا دھونا، پیروں کا مسح ہے یا دھونا۔ اگر دھونا واجب ہے تو چاہے ناپاک ہوں یا پاک دھونا ہی پڑیں گے۔ وضو سے قبل نجاست کا دور کرنا واجب ہونا واجبات وضو سے کوئی میل نہیں کھاتا۔

دوسرا بہانہ:

بعض حضرات کو الفقۃ الاحوط کی رُو سے وضو میں وجب نمبر ۵ کو دیکھنے کے لیے جو عینک لگائی تھی اس سے ان حضرات کو واجبات وضو کی فہرست میں ”وَمَسۡحُ الرِّجۡلَیۡنِ وَغَسۡلُھُمَا اِلَی اَلۡکَعۡبَیۡنِ“ کی عبارت نظر نہیں آئی کیونکہ سنن وضو کی عبارت ”وَتَکۡرَارُ غَسۡلِ الۡوَجۡہِ الۡیَدَیۡنِ“ والی عبارت میں ”وَالرِّجۡلَیۡنِ“ نہیں ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ اول تو وضو میں تکرار غسل رجلین مسنون نہ ہونے سے وضو میں پاؤں پر مسح کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ثانیاً ہاتھوں اور منہ پر صرف پانی ڈالا جاتا ہے، ان پر ہاتھ پھیرنا واجب نہیں ہے۔ اس لیے غسل کا استیعاب نہ ہونے کا احتمال رہتا ہے اس لیے تکرار مسنون قرار پایا جبکہ پیروں کا حکم اس سے الگ ہے۔ ان کو تو ٹخنوں سمیت پورے کو ہاتھ پھیرتے ہوئے پانی ڈال کر دھونا واجب ہے تاکہ کسی جگہ کا خشک رہنے کا احتمال نہیں رہے۔ اور فرمان رسالت ماب ﷺ کے مطابق ٹخنے کا کچھ حصہ خشک رہنے کی وجہ سے وَیۡلٌ کی وعید کا سزاوار نہ

بنے۔

تیسرا بہانہ:

وضو میں الفقۃ الاحوط کی رُو سے پانچویں واجب کے طور پر مسح ثابت کرنے والے بعض حضرات کہتے ہیں کہ وضو کے مسنون افعال کے ذیل میں صرف "وَعِنْدَ الرِّجْلَيْنِ" فرمایا گیا۔ اگر دھونا ہوتا تو "وعِنْدَ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ" فرماتے۔

ان کو چاہیے تھا کہ وضو کے واجبات کو سمجھنے کے لیے واجبات ہی کی فہرست دیکھتے کیونکہ "عِنْدَ الرِّجْلَيْنِ" میں غسل کا لفظ نہ ہونے سے صرف مسح کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

نیز جہاں واجبات میں لفظ مسح اور لفظ غسل دونوں آئے ہیں وہاں مسنون افعال کے بیان میں بھی "عِنْدَ الرِّجْلَيْنِ" سے قبل مسح اور غسل دونوں کا ذکر آچکا ہے۔

چوتھا بہانہ:

سابق الذکر تینوں بہانوں کا تعلق الفقۃ الاحوط میں تحریف معنوی سے تھا لیکن چوتھے بہانے کا تعلق تحریف لفظی سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ کچھ نوربخشی حضرات "وَمَسْحُ الرِّجْلَيْنِ وَغَسْلُهُمَا إِلَى الْكَعْبَيْنِ" میں تحریف کرکے "وَ" کی جگہ "اَوْ" لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ گوکہ تخییر کا مذہب امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے، اپنی جگہ درست ہے لیکن الفقۃ الاحوط کی عبارت میں تحریف کرکے میر سید محمد نوربخش علیہ الرحمہ کو بھی مخیرین شمار کرنا باطل ہے۔

راقم السطور نے شمارہ ۱۴۱ میں حضرت میر سید محمد نوربخشؒ کی الفقۃ الاحوط اور علاء الدولہ سمنانی کی الفلاح لاھل الصلاح کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ مشائخ سلسلہ ذہب کے ہاں وضو میں پیروں کا حکم یہی ہے کہ وہ

مسح و غسل کو جمع کرنے کو احوط سمجھتے ہیں۔ اسی پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ذیل میں ایک ایسی ہستی کی کتاب سے نقل کی جارہی ہے جو

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝[4]

اس نے دو سمندروں کو رواں کیا جو باہم ملتے ہیں۔ اے گروہ جن و انس تم اپنے پروردیگار کے کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں سے موتی اور گونگے نکلتے ہیں۔

کا آئینہ دار ہے۔ یہ ہستی شہاب الدین جورانی کی تربیت اور میر سید محمد نور بخشؒ کی صحبت کے زیر اثر نور بخشیت کی لڑی میں پروئے ہوئے لوٗلوٗ و مرجان ہے، یہ ہستی حضرت حسام الدین بدلیسی کی ہے۔ آپؒ اپنی تفسیر جامع التنزیل والتّاویل میں سورہ مائدہ کی آیت ٦ کے ذیل میں "وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ" پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

وَعَنِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ اَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا هٰذَا هُوَ الْاَحْوَطُ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنَ الْمَشَايِخِ الْعَارِفِيْنَ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی المرتضی علیہ السّلام سے یہ نقل کرتے ہیں کہ آپ علیہ السّلام مسح و غسل کو جمع فرمایا کرتے تھے۔ یہی محتاط ترین طریقہ ہے اور اسی پر مشائخ عارفین کی اکثریت عمل پیرا ہے۔

مشائخ عارفین کا مذہب بتانے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

اَنَّ الْاَكْثَرِيْنَ مِنَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدْ ذَهَبُوْا اِلٰى وُجُوْبِ لْغَسْلِ وَالشِّيْعَةُ كُلُّهُمْ عَلٰى وُجُوْبِ الْمَسْحِ وَكَوْنِ الْغَسْلِ سُنَّةً زَعْمًا مِّنْهُمْ اَنَّ الْاَئِمَّةَ الْمَعْصُوْمِيْنَ الَّذِيْنَ اِقْتَبَسُوْا مِنْ اَنْوَارِ الْعُلُوْمِ

4 الرحمن:١٩-٢٢

الشَّرِيْعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ و اَزْهَارِ الرُّسُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ الْوَضْعِيَّةِ مِنْ مِشْكٰوةِ النُّبُوَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَ مِرْقَاةِ الْوِلَايَةِ الْعَلَوِيَةِ مُعَنْعَنًا مُّسْنَدًا مُّتَّصِلًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ مَسَحُوْا وَا كْتَفُوْا عَلَى الْمَسْحِ اِتِّبَاعًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَبَعْضِ الصَّحَابَةِ وَ وَلِيِّهٖ فَاِنْ تَمَّ هٰذَا فَاتِّبَا عُ هٰذِهِ الْاَئِمَّةِ الْهَادِيَةِ الْمَهْدِيَّةِ اَلْيَقُ وَ اَوْلٰى وَاَحَقُّ وَاَمَّا مَا اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ رَاْىُ مَشَايِخِنَا قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُمُ الْعَزِيْزِ فَهُوَ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا هٰذَا هُوَ مَا وَصَلَ اِلَيْهِمْ مِّنَ الْاَئِمَّةِ الْمَذْكُوْرَةِ لِاَنَّ سِلْسِلَتَهُمْ وَ اَسَانِيْدَهُمْ اِنَّمَا يَرْتَفِعُ اِلٰى اِمَامِ الْهُدٰى عَلِيٍّ مُّوْسَى الرِّضَا وَ مِنْهُ اِلَى الْاِمَامِ مُوْسَى الْكَاظِمِ وَمِنْهُ اِلَى الْاِمَامِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ وَ مِنْهُ اِلَى الْاِمَامِ مُحَمَّدٍ الْبَاقِرِ وَ مِنْهُ اِلَى الْاِمَامِ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَ مَنْهُ اِلَى الْاِمَامِ الْحُسَيْنِ وَمِنْهُ اِلَى الْاِمَام عَلِيٍّ الْمُرْتَضٰى وَ مَنْهُ اِلَى الْاِمَامِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى وَمِنْهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِهِمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ اَبَدًا دَائِمًا مُتَّصِلًا وَالْاِ كْتِفَاءُ بِالْمَسْحِ اِنَّمَا نَشَأَ مِنْ شَجَرَةِ التَّعَصَّبِ فَلَا عِبْرَةَ بِهٖ وَ كَذَا الْغَسْلُ اِنَّمَا نَشَأَ اَيْضًا مِنَ التَّعَصُّبِ اِذِ الْاٰيَةُ بِمَنْطُوقِهَا وَ مَفْهُوْمِهَا اِنَّمَا يَدُلُّ عَلَيْهِمَا فَالْاِ كْتِفَاءُ بِاَحَدِهِمَا وَالْحَصْرُ عَلٰى اَحَدِهِمَا اِنَّمَا يَنْشَأُ مِنْ مَّحْضِ التَّعَصُّبِ۔

اہل السنت و الجماعت کی اکثریت کا مذہب وضو میں پاؤں کا دھونا ہے اور اہل تشیع سبھی اس بات پر گامزن ہیں کہ مسح کرنا واجب ہے جبکہ دھونا سنت ہے۔ ان کا یہ گمان ہے کہ ائمہ معصومین جنھوں نے نبوت محمدی کے انوار شریعت اور ولایت مرتضوی کے گلستان بلاغت سے دینی احکام مسلسل اور متصل سند کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل کیے ہیں۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، اللہ کے ولی علی المرتضیٰ علیہ السّلام اور بعض صحابہ کے اتباع میں مسح کیا ہے اور مسح ہی پر اکتفا کیا ہے۔ اگر یہ بات پوری طور پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو ان ائمہ ھادین و مھدیین کا اتباع ہی مناسب تر، بہتر اور زیادہ حقدار ہے۔ لیکن جس طریقہ پر ہمارے مشائخ قدس اللہ سرّھم العزیز کی رائے جمی ہوئی ہے وہ ان دونوں کو جمع کر لینا ہے۔ ان ائمہ ہدیٰ سے مشائخ سلسلہ ذہب کو پہنچا ہوا طریقہ بھی مسح و غسل کو جمع کرنا ہے کیونکہ (سلسلہ ذہب) کے ان مشائخ کا سلسلہ تصوف اور سند احکام شریعت امام ہدایت علی موسیٰ الرضا تک پہنچتا ہے۔ ان سے امام موسی الکاظمؑ تک، ان سے امام جعفر صادقؑ تک، ان سے امام زین العابدینؑ تک، ان سے امام حسینؑ تک، ان سے امام علی المرتضیٰؑ تک، ان سے

امام محمد مصطفیٰ تک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جبرائیل تک پہنچتا ہے۔صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیھم ابدًا دائمًا

صرف مسح پر اکتفا کرنا شجرۂ تعصب کا شاخسانہ ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اسی طرح صرف غسل بھی تعصب کا ثمرہ ہے کیونکہ قرآنی آیت اپنے الفاظ اور مفہوم کے اعتبار سے مسح و غسل دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا (مسلکانہ) تعصب کا نتیجہ ہے۔

اس عبارت سے حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

1. وضو میں پیروں کو صرف دھونا اکثر اہل سنت کا مذہب ہے۔
2. وضو میں پیروں پر صرف مسح کرنا سارے شیعہ مکاتب فکر کا طریقہ ہے۔
3. اہل تشیع کا پیروں پر مسح کو ائمہ اہل بیت کا طریقہ کہنا ان کا اپنا گمان ہے۔
4. مشائخ سلسلہ ذہب کا مذہب وضو میں پیروں کا مسح اور غسل دونوں کا جمع کرنا ہے۔
5. مشائخ سلسلۂ ذہب سلسلۂ طریقت سند احکام شریعت ائمہ اہل بیت سے متصل ہے۔ ائمہ اہل بیت کے واسطہ سے حضرت علی المرتضیٰ علیہ السّلام تک پہنچتی ہے اور آپ علیہ السّلام کے واسطے سے حضور ﷺ تک پہنچتی ہے۔

ائمہ اہل بیت کے واسطے سے مشائخ سلسلہ ذہب تک جو طریقہ پہنچا ہے وہ وضو میں پیروں کا مسح اور غسل دونوں کو جمع کرنا ہے۔

ائمہ لغت اور سمنانیؒ کے حوالے سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ دھونے سے مراد ٹخنوں سمیت پورے پیروں کو پانی پہنچانا ہے۔ جبکہ مسح سے مراد ٹخنوں سمیت پورے پیروں کو ہاتھ پھیرنا ہے۔ لہٰذا مسح اور غسل کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ ٹخنوں تک پورے پیروں کو ہاتھ پھیرتے ہوئے پانی پہنچائے۔ تاکہ پیروں کے پاک ہونے کی پوری تسلی ہو جائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی روایت:

اب ہم اس سلسلۂ گفتگو کو ایک ایسی روایت پر ختم کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مسح کے ثبوت کی بات ایک گمان کے سوا کچھ نہیں مولا علی علیہ السلام کی روایت پہلے شمارے میں عبدالخیر کے واسطے سے نذر قارئین کی گئی تھی یہ روایت مختلف طرق سے احادیث کی زینت ہے۔اب جو روایت پیش کی جارہی ہے وہ جوانان جنت کے سردار امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کے توسط سے ہے۔حضرت امام نسائی علیہ رحمۃ اللہ اپنے سلسلہ سند سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَنَّ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ قَالَ:دَعَانِیْ اَبِیْ عَلِیٌّ بِوَ ضُوْءٍ فَقَرَّ بْتُهُ لَهٗ فَبَدَأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهُمَا فِیْ وَضُوْ ئِهٖ ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَا ثًا وَ اسْتَنْثَرَ ثَلَا ثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى كَذَالِكَ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاسِهٖ مَسْحَةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى كَذَالِكَ ثُمَّ قَامَ قَآئِمًا فَقَالَ: نَاوِلْنِیْ فَنَاوَلْتُهُ الْاِنَآءَ الَّذِیْ فِيْهِ فَضْلُ وَضُوْ ئِهٖ فَشَرِبَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْ ئِهٖ قَائِمًا فَعَجِبْتُ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ: لَا تَعَجَبْ فَاِنِّیْ رَأَيْتُ اَبَاكَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ مِثْلَ مَارَأَيْتَنِیْ صَنَعْتُ، يَقُوْلُ لِوُ ضُوْئِهٖ هٰذَا وَشُرْبِ فَضْلِ وَ ضُوْئِهٖ قَآئِمًا۔[5]

شہید کربلا حضرت حسین بن علی علیہما السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد علی مرتضی علیہ السلام نے مجھ سے وضو کا پانی مانگا تو میں نے اسے پیش کیا آپ نے وضو کرنا شروع کیا کہ دونوں ہاتھوں کو پانی کے برتن میں ڈالنے سے پہلے تین بار دھویا پھر تین دفعہ کلی کی اور تین دفعہ ناک میں پانی ڈال کر جھاڑا پھر منہ کو تین دفعہ دھویا پھر کہنی سمیت دائیں ہاتھ کو تین بار دھویا پھر ایسا ہی بائیں ہاتھ دھویا پھر ایک ہی بار سر کا مسح کیا پھر دونوں ٹخنوں سمیت تین بار دائیں پاؤں کو دھویا پھر ایسا ہی بائیں پاؤں کو دھویا پھر سیدھے کھڑے ہوئے اور فرمایا: برتن مجھے دیجیئے میں نے وہ برتن جس میں وضو کا بچا ہوا پانی تھا، اٹھا کر آپ کو تھما دیا آپ نے کھڑے کھڑے وضو کے بچے ہوئے پانی سے تھوڑا پی لیا مجھے تعجب ہوا۔جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمانے لگے تو تعجب نہ کر تو نے جو کچھ مجھے کرتا دیکھا

5 سنن نسائی کتاب الطہارۃ حدیث نمبر ۹۵

ہے میں نے تیرے نانا ابو کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے آپ یہ اپنے اس طرز وضو اور کھڑے کھڑے وضو کے بچے ہوئے پانی سے پینے کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

فوائد: اس حدیث سے بہت سے شرعی مسائل اخذ ہوتے ہیں اور بہت سے ابہام بھی دور ہوتے ہیں ان جملہ فوائد میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1. وضو کا مکمل طریقہ بیان ہوا ہے۔
2. ہر پیر کے لیے کعبین کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کعبین سے مراد پاؤں کے اوپر ابھری ہوئی ہڈی نہیں بلکہ پاؤں کے دونوں جانب ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں۔
3. ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے حضرت مولا علی علیہ السلام کے واسطے سے حضور اکرم ﷺ کا جو طرز وضو سیکھا ہے وہ وضو میں پیروں کو دھونا ہے۔
4. حضرت مولا علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو بھی جیسا کہ عبد خیر کی روایت سے ظاہر ہے وضو کا طریقہ عملی طور پر سمجھاتے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی روایت سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے بچوں کو بھی عملاً وضو کا طریقہ دکھاتے تھے۔
5. مولا علی علیہ السلام وضو کا جو طریقہ اپنے اصحاب و اولاد کو عملًا دکھایا ہے ہے وہی طریقہ خود مولا نے حضور نبی کریم ﷺ سے عملًا سیکھا اور دیکھا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وضو کا جو طریقہ ایمہ اہل بیت علیھم اسلام نے حضور ﷺ سے سیکھا ہے اور آیمہ اہل بیت سے مشایخ سلسلہ ذہب نے سیکھا ہے اسی پر من و عن ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے اور وضو کے انوار و برکات سے مالا مال کرے آمین۔

(جاری ہے)



حدیث نبوی ﷺ

قلب مومن اور اللہ تعالی

غلام حسن حسنو

(نوٹ :اس عنوان سے ایک حدیث نبوی ﷺ ،اس کا اردو ترجمہ، تخریج اور تشریح پیش کی جاتی ہے ذیل میں زیر نظر حدیث مبارکہ پیش کی جارہی ہے۔)

حدیث قدسی:

لاَ یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَیَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ

میں زمین میں سماتاہوں نہ آسمان میں بلکہ صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں۔

اسی طرح اور معمولی فرق کے ساتھ ان کتابوں میں بطور حدیث قدسی نقل ہوا ہے۔

1. احیاء العلوم جلد دوم ص:۱۶۸۔
2. مفاتیح الاعجاز فی شرح گلشن راز ص:۱۰۳۔
3. اسرار المرفوعہ ص:۳۱۰۔
4. رسالہ قدسیہ ص:۱۵۰۔
5. قوت القلوب ص:۱۱۸۔
6. کشف الخفاء جلد دوم ص:۱۹۵۔
7. مجموعہ آثار فارسی احمد غزالی ص:۲۹۶۔

8. رسالہ نوریہ نور بخش ص:۴۹۔
9. بردالیقین ص:۱۲۶، ۵۱۲۔
10. مصنفات فارسی سمنانی ص:۱۳۹۔
11. کاشف الاسرار ص:۱۲۸۔
12. مرصاد العباد ص:۲۰۸۔
13. ذخیرۃ الملوک ص ۱۹۴۔
14. شرح احوال و آثار سید محمد نور بخش ص ۱۰۲۔
15. زبدۃ المناقب ص ۱۲۷۔
16. آداب خلوت۔

اس حدیث قدسی میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب مؤمن کے سوا کسی جگہ نہیں سماتا صرف قلب مؤمن میں یہ گنجائش موجود ہے کہ اللہ تعالی اس میں سما جائے باقی کائنات کی کسی وسعت میں یہ گنجائش موجود نہیں ہے۔ ایک حدیث نبوی میں قلب مومن کو عرش اللہ قرار دیا ہے۔ میر سید محمد نور بخش کے نزدیک دل ملکوتی اور جبروتی فیوض و برکات کے اترنے کی جگہ ہے۔ اس لیے دل کو پاک وصاف رکھنا ضروری ہے۔ میر سید محمد نور بخش کے نزدیک دل کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صحیح وسالم دل مومن کا دل: یہ مومن کا دل ہے۔ دل زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ طاعات کی طرف مائل ہوتا ہے اور برائی سے نفرت کرتا ہے۔ نواع عبادات اوراقسامِ اذکار سے لذت اٹھاتا ہے اور یہ دل کی مرغوب غذا ہے۔ میر سید محمد نور بخش کے نزدیک صرف دیندار مومنین، پاکباز صالحین اور باعمل علماء ہی کے دل زندہ، تندرست اور بیدار ہوتے ہیں مذکورہ بالا صفات یعنی حیات، صحت اور بیداری کے ساتھ ساتھ دوسری

صفات مثلاً بینائی، گویائی اور دانائی وغیرہ بھی موجود ہوتے ہیں۔

(۲) بیمار دل: یہ منافق وفاجر کا دل ہے جو بیمار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ ۱۰)

ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ اس کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔

ایک اور آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج ۴۶)

ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ دل اندھے ہیں جو ان کے اپنے سینے میں ہے۔

بیمار دل کی علامت یہ ہے کہ وہ دل عبادات، اذکار اور طاعات سے نفرت کرتا ہے جس طرح ظاہری بیماری کے سبب طبیعت مرغوب غذا اور مشروبات سے بھی نفرت کرتی ہے اسی طرح باطنی اور معنوی بیماری کی بناء پر دل مختلف طاعات اور عبادات سے نفرت کرتا ہے چنانچہ بیمار ہونے کی وجہ سے ان کا دل سوچنے سمجھنے اور حق جاننے بوجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

(۳) مردہ دل: یہ کافر اور مشرک کا دل ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ (النحل ۲۱) مردے ہیں زندہ ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ بعض مردہ ہوتے ہیں جبکہ بعض زندہ۔ بعض خفتہ رہتے ہیں اور بعض بیدار۔ بعض صحت مند ہوتے ہیں اور بعض بیمار۔ بعض اندھے ہوتے ہیں اور بعض بینا۔

شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات انسانی دل کو خراب کر دیتے ہیں طرح طرح کے خیالات اور قسم قسم کی خواہشات سے دل میں دھبہ لگ جاتا ہے جب آدمی نادم ہو کر استغفار پڑھتا یا توبہ انابت کرتا ہے تو وہ دھبہ دھل جاتا ہے اور دل صاف ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوا تو یہ دھبہ بڑھ جاتا ہے ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ پورا دل دھبوں سے بھر جاتا ہے توبہ استغفار سے بھی اس کی صفائی نہیں ہوتی۔اس سلسلے میں میر سید علی ہمدانیؒ لوہے کی مثال دیتے ہیں کہ جب تک آدمی اس کو صاف ستھرا رکھ کر کام کرے کام کر سکتا ہے اگر اس کی صفائی اور ستھرائی کا خیال نہ رکھے تو وہ گندہ ہو کر نا قابل استعمال ہو جاتا ہے جب تک کسی ماہر سے اس پر قلعی نہ کرے وہ استعمال کے قابل نہیں بنتا اسی طرح انسان قلب انتہائی خراب ہونے کی صورت میں کسی مرشد کامل کی صحبت اختیار کرنے اور اس کی ہدایات پر من وعن عمل کیے بغیر دل صات ستھرا نہیں ہو جاتا۔

چنانچہ ہر قسم کی غل وغش سے پاک، ظاہری و باطنی خواہشات سے صاف اور ہر نوع کی کدورتوں سے شفاف قلب مؤمن اللہ تعالی کو صحیح معنوں میں جانتا اور اس کی ذات وصفات کو سمجھتا اس کے ذاتی، صفاتی، افعالی تجلیات کو دیکھتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ دل کو پاک وصاف رکھا جائے۔



تراجم مخطوطات

بهجة الطائفه

حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدی منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(پس وہ مذکورِ حق ہے کیونکہ ذکرِ حق کی سطوت کا مشاہدہ، اس ذاکرِ حق کو ذکر سے مسلوب کر کے شہود کی طرف کر دیتا ہے چنانچہ ذاکرِ حق، حق تعالیٰ کا جلیس و ہمنشین بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ میں اس کا ہمنشین ہو جاتا ہوں جو میرا ذکر کرے۔

اور مذکور، اللہ کا ہمنشین اور مونس ہے کیونکہ اللہ اس کو اپنی شان کے لائق اپنے دل میں یاد کرتا ہے پھر اگر وہ کسی مجلس میں اللہ کا ذکر کرے تو اللہ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ حدیث آیا ہے:

يُنَاجِيْ (يُبَاهِيْ) اللهُ مَلٰئِكَتَهٗ اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔

اس سے مراد ذکرِ دائم یعنی ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مصروف رہنا ہے۔ اور یہ اوقات کو خلوتوں میں گزارنے سے حاصل ہوتا ہے تاکہ پہلے باطن کدورتوں اور قابل مذمت اوصاف سے پاک وصاف ہو پھر وہ محمودات اور قابل تعریف اوصاف اور معاملات کے انوار سے منور ہو پھر اس سے حسن اخلاق، اچھے احوال اور پاک وصاف اعمال ظاہر ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ درجات میں ترقی اور زیادات کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ پھر وہ محدثیات میں سے وضوحِ محض میں فتوح کے علم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور یہی فیض ربانی ہے۔ پھر اس کے صفات کے حقائق جلوہ گر ہوتے ہیں۔

ذاکر پر کیفیت ذکر

ان کے لیے ان مطالعات، مواصلات اور منازلات کے فائدے یہ ہیں کہ ان کے قلوب کلمہ کی صفت کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں اور جب ان کے قلوب کلمہ کی صفت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو حقائق کلمات کے لشکروں کے وفود قلوب میں وارد ہوتے وقت، کلمہ کی صفت، ان کے وجود کو مٹادیتی ہے۔ اور وہ حقائقِ کلمات کے لشکروں کے وفودان کے وجود میں باقی ماندہ محصولات، موجودات اور محسوسات کو غارت کر دیتے ہیں۔ سو یہاں پر بندہ خود کو ایسا دیکھتا ہے کہ گویا وہ تھا ہی نہیں اور حقِ تعالیٰ کو اپنی ذات کی شہادت دیتے ہوئے لم یزل دیکھتا ہے۔ پس اس وقت اس کے باطن میں اغیار ختم ہو کر تنہا کلمہ رہ جاتا ہے، کلمہ کی حقیقت سے اس کے اسرار اترتے ہیں اس کی پاکیزگی، اس کی صفات اور اس کے انوار چمکتے ہیں۔ اس وقت وہ چمکدار، انوار کے وصف سے موصوف لباس میں، حروف کے بغیر معری کلمہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ سو ذاکر ذکر میں مستغرق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ فناء ہو جاتا ہے اور ذکر، مذکور کی صفت کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ پھر (ذاکر کا) دل نور حاصل کرتا ہے اور ہر تغییر کو بھول جاتا ہے اور بدل دیا جاتا چنانچہ کلمہ، دل بن جاتا ہے اور دل کلمہ۔

پھر ذاکر کے جسم کا انگ انگ ذکر کرتا ہے۔ کلمہ کی حقیقت، اس کے گوشت، اس کے بال، اس کے خون اور اس کی جلد سے مل جاتی ہے اور ذکر کو ذاکر سے الفت ہو جاتی ہے اور ذاکر کو ذکر سے شدید محبت۔ اسی بنا پر اس کی ہمتیں اللہ کی خاطر پوری طاقت لگاتی ہیں اور ان کے مقاصد اور احوال اللہ کی معیتِ خصوصی میں آگے بڑھنے کے وصف کے ساتھ صاف ہو جاتے ہیں پھر نیتیں اللہ کے لیے خالص ہو جاتی ہیں اور صحیح عزم کی وجہ سے اللہ کے ساتھ ثبات و قرار پاتے ہیں پھر وہ مقامِ تربیت کے ساتھ مخصوص ہو جاتے ہیں پس وہ محمود کے بذل وایثار کے ذریعے مقصود کو حاصل کرنے کے لیے معبود حقیقی کی طرف سے، مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف کشاں کشاں کھینچتے ہیں اور حظوظِ نفسانی کو فناء کرنے اور حقوق عبودیت کو باقی رکھنے میں قدوہ و نمونہ بننے اور دعوت دینے کے لائق ٹھہرتے ہیں۔

پس اس وقت متلاشیانِ حق اور صاحبانِ ارادت پر ان کی صحبت اور خدمت کی بدولت نفسانی چاہتوں کو ترک کرنا آسان ہو جاتا ہے پھر وہ بغیر کسی ارادہ و اختیار کے مجبوراً دنیا سے نکالے جانے والی موت اضطراری سے پہلے اپنے ارادہ واختیار سے ماسوا اللہ سے نکل جاتے ہیں۔ سو کوئی شک نہیں یہ لوگ، پہلے قدم ہی میں حقیقی نعمتیں

پانے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور تجرید وماسوا اللہ سے دستکش ہونے کے آغاز میں ہی انہیں مزید عطا کی جائے گی۔

ذکر کے ذریعے نہایت سلوک تک رسائی

پس جب وہ نہایت سلوک تک پہنچ جاتے ہیں اوراپنے حال کی انتہاء کو پاتے ہیں تکالیفِ شرعی کا بوجھ ہلکا ہونے لگتا ہے۔اس لیے وہ:

راحت قلبی پاتے ہوئے ہلکا محسوس کرتے ہیں۔

اوراللہ کے فضل وبزرگی کی دیدار کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ کلمہ ذکر، اپنی حقیقت،فائدہ اور تصرف ظاہر کرنے کی وجہ سے ان کو اپنے طبائع، اوصاف، عادات،اور رسوم سے فناء کر دیتاہے۔ وہ کلمہِ ذکر اپنے قابل تعریف صفائی،اپنی پاکیزگی اور نزاہت کے ساتھ انہیں باقی رکھتاہے۔پھر ان ذاکرین حق کی حیرت وسر گشتگی،والہ وشیدائی اور دحشت وحیرانگی جیسی صفات کواحوال سے بدل دیا جاتاہے یہاں تک کہ اپنے وجود سے خروج کی مٹھاس چکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ حقائقِ ذکر اور محلِ شہود کے سزاوار ٹھہرتے ہیں:

پھر سر گشتگی سے دوامِ انس،

حیرت سے دوامِ مجالست،

شیدائی سے دوامِ استر سال، جلال وجمال کے اوصاف کے ساتھ ولہ(شدتِ غم سے حیران ہونا) سے جمال و جلال، تمام قسم کی نوال و عطا،فضل وکرم اور احوال کی قابلِ تعریف صفات کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کی آسودگی،اور دحشت سے دوامِ حضوری ظاہر ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے:

اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا[6] تم کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔

اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا،ہمیشہ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنے کا متقاضی ہے حتی کہ تمام اوقات ذکرِ حق میں یوں مستغرق ہوں کہ ایک ساعت بھی ذکر سے خالی نہ ہو اگر خالی ہے تو یہ ذکرِ لسانی ہے نہ کہ ذکرِ قلبی۔

کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا ذکر لسانی کا مقام ومرتبہ نہیں کیونکہ وہ زبان جسمانی تقاضے مثلاً ضرورت

6۔ سورۃ الاحزاب آیت ۴۱

کے مطابق سونا، کھانا، پینا اور کلام کرنا پورے کرنے میں مشغول ہونے کی وجہ سے ذکر حق سے خالی ہی رہتی ہے۔اور سارے جسم کو ان تقاضوں کو مجبوراپورا کرنا پڑتا ہے اس لیے دوامِ ذکر اس زبان سے ممکن نہیں۔

دوامِ ذکر دل کا مقام

دوامِ ذکر دل ہی کا مقام و مرتبہ ہے کیونکہ زبان کی طرح دل کیے جسمانی تقاضے پورے کرنے میں مشغول ہونے کی رکاوٹیں نہیں ہیں۔چنانچہ اسی بنا پر دوامِ ذکر، دل پر تمام اوقات اور زبان پر بعض اوقات واجب ہے۔پس عقلی اور نقلی دونوں دلیل سے ثابت ہوگئی کہ دوام ذکر ذکر قلبی کی صفت ہے۔پس جب دل ہمہ وقت ذکرِ حق میں مصروف ہو جاتا ہے تو صفائے ذکر کی برکت سے دل بھی پاکیزگی اور صفائی اختیار کرلیتا ہے اور جب دل، ذکر کی پاکیزگی اور صفائی اختیار کرلیتا ہے تو دل غیب بن جاتا ہے پھر غیب میں کلمہ واقع ہوتا ہے اور جب غیب میں کلمہ واقع ہوتا ہے تو دل غیب میں غائب ہو جاتا ہے اور اس علم سے تعلق رکھتا ہے جو چکھا تو جاتا ہے کہا نہیں جاسکتا۔یہاں تک کہ مرید کا علم غیبی بن جاتا ہے نہ کہ تعلیمی و کسبی اسے کہ اس کی طرف قرآن وسنت کے احکام پر صدق و صفائے قلب سے عمل کرکے علم ذوق کے سوا علم قالی وزبانی اور عقل کیے کوئی طریقہ اور راستہ نہیں ہے۔چنانچہ ذکر مقامِ غیب پالیتا ہے اور غیب، قلب کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔پھر دل ہر حال میں ذاکر بن جاتا ہے اسے غلبہ نفس کے سوا اس کے لیے کوئی مانع ورکاوٹ ہے ہی نہیں۔پس جب وہ غلبۂ نفس سے خلاصی پا جائے تو وہ اپنی عادت یعنی ہمہ وقت ذکرِ حق میں مشغول رہنا کی طرف لوٹ آتا ہے کیونکہ دل کی غذا یعنی کھانا پینا ذکرِ الٰہی ہی ہے، اس کی زندگی ذکر ہی سے وابستہ ہے، اس کے لیے ذکرِ حق کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور نہ ہی اس کے لیے اللہ کے ذکر سے کوئی اکتاہٹ ہوتی ہے۔کیونکہ بھوکے کو جب تک وہ بھوکا ہے، کھانے سے کوئی اکتاہٹ نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی پیاسے کو جب تک کہ وہ پیاسا ہے، پانی سے کوئی ملال ہوتا ہے، بالکل اسی طرح دل کو جب تک کہ وہ ذکر کا طالب اور عاشق ہے ذکر سے اکتاہٹ نہیں ہوتی، ذاکرِ حق اس مچھلی کی مانند ہے جو دریا کے پانی کے وسط میں ہو اور پانی کی حاجتمند ہو اسے پانی سے وابستگی میں اس کی زندگی اور پانی سے جدائیگی میں اس کی موت ہے اسی طرح ذاکرِ حق کی غفلت دل کی موت ہے۔

اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

سَیْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قِیْلَ مَنْ هُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ وَقِیْلَ الْمُهْتَرُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَضَعَ الذِّكْرَ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ فَوَرَدُوْا الْقِیَامَةَ خِفَافًا۔

تم سیر کیا کرو مفردون تم پر سبقت لے گئے ہیں استفسار کیا گیا یا رسول اللہ! یہ مفردون کون ہیں؟ فرمایا۔ کیا گیا ذکر الٰہی میں۔۔۔ ان سے ان کا بوجھ رکھ دیا پس وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے آئیں گے۔

جس طرح کھانے پر ٹوٹ پڑنا، جسم کا کام ہے دل کا نہیں اسی طرح ذکر پر فریفتہ ہونا، دل کی صفت ہے زبان کی صفت نہیں۔ کیونکہ ذکر کی حقیقت، دل پر جلوہ گر ہوتی ہے پھر دل ذکر پر فریفتہ اور عاشق ہوتا ہے اور اسی میں مستغرق ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تخلیہ اور تعبد کی ابتدا ٔ میں اس حد تک کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے تھے کہ اہل عرب کہتے تھے:

اِنَّ مُحَمَّدًا عَشَقَ رَبَّهٗ محمد کو رب سے عشق ہو گیا ہے۔

آپ ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے دوامِ ذکر عیاں ہوتا ہے۔

ذکر الٰہی دل کی خوراک

جب دل، دوامِ ذکر کی صفت سے متصف ہو جائے تو دل کو اس کے بغیر کوئی چارہ و گزارہ نہیں ہوتا اس لیے کہ ذکر اس کی خوراک اور زندگی ہے۔ چنانچہ دل دوامِ ذکر میں ملائکہ کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ملائکہ جنسِ انسانیت سے نہیں بلکہ جنسِ روحانیان سے تعلق رکھتے ہیں کھانا، پینا اور نیند وغیرہ، انہیں ذکرِ حق سے نہیں روکتے؟ اللہ عزوجل نے ان کا ذکر دوامِ ذکر کی صفت کے ساتھ کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ[7] وہ دن رات اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور معمولی سا وقفہ بھی نہیں کرتے۔

پس اسی طرح جب ذکر دل کو پاک وصاف کر لے تو وہ سے نفس پرستوں کی عبادات کی قید سے نکال کر عالم امر کی روحانی صفات لطافت، رقت اور صفاؤ پاکیزگی کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر جب وہ ان صفات کی موجودگی کی وجہ سے ذکرِ حق میں مستغرق ہو جاتا ہے تو ذاکر حق کا دل اور ملائکہ دوامِ ذکر کے قاعدہ میں برابر ہو جاتے ہیں۔

7۔ سوارۃ الانبیاء آیت ۲۰

تم اس عبدِ مقرب کی شان ذرا دیکھ جس کا دل، اجسام کی صحبت سے قبل ازل میں ملائکہ کے درجہ پر تھا اجسام کی صحبت کے بعد اب اس نے اسی درجہ کو پھر سے پالیا ہے اللہ کی بارگاہ میں اس کی کیا شان ہے ؟ اور احوال میں اس کے حال کی علو وبلندی کا کیا عالم ہے ؟ کاش! اجسام کی صحبت پانے کے بعد دوبارہ بندہ کا دل صفتِ ازل کی طرف نہ لوٹے تو احوال میں سے کسی حال تک کیسے رسائی پاسکتا ہے ؟

کسی قائل نے اس سے کہا: اس بندہ کی علاُمت کیا ہے جس کا دل ملائکہ کی صفت اختیار کر چکا ہے ؟

آپ نے ارشاد فرمایا: جب بندے کا دل اس کی ظاہری اور باطنی مملکت پر تصرف کرنے کا اختیار حاصل کرلے تو اس کی شکل وصورت انسانوں کی شکل وصورت کی طرح اور اس کی حرکات وسکنات ملائکہ مقربین جیسے ہیں۔

کسی کہنے والے نے اس سے کہا: کہ اپنے ظاہر وباطن کے مصالح کا مالک کیسے بن سکتا ہے ؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

اس بندے کی عقل، اس کی خواہشات پر حکمرانی کرے۔ اس کا علم اس کے جہل پر حکمرانی کرے۔ شریعت اس کی طبیعت پر حکمران ہو، اس کا دل، اس کے نفس پر حکم چلائے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور عنایت اس کے دل، اور اس کے سارے وجود پر حکومت کرے۔

سو اس وقت وہ جس جبلی اور طبعی افعال پر، اور بارگاہِ الٰہی کی قربت ومنزلت پر ملائکہ کی تخلیق ہوئی ہے اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ جب بندہ یہ مقام پالیتا ہے تو:

شکل وصورت کے لحاظ سے انسان، کردار کے اعتبار سے فرشتہ، اور استغناٗ کے لحاظ سے ربانی ہے۔

اسی بناء پر انسان کا مقام ومرتبہ ملائکہ سے اعلیٰ ہے اسے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان میں نیکی کی قوت کے ساتھ ساتھ شہوات اور مذمومات بھی رکھیں پھر انہیں حکم دیا۔

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ[8] کہ اللہ والے بن جاؤ۔

اور انہوں نے محنت کی، اور سختیاں جھیلی، اپنے نفوس کو مجاہدہ کی تلواروں سے مار ڈالا یہاں تک کہ مذموم صفات کو محمود صفات سے بدل دیا غفلت کو بیداری سے، کثیف کو لطیف سے، بدل دیا۔ وہ شکل وصورت کے لحاظ سے

---

[8] سورۃ آل عمران آیت ۷۹

انسان، افعال کے حوالے سے فرشتہ اور تجرید، تفرید، اور استغناء کے اعتبار سے اللہ والے بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مردانِ حق کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا [9]

ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، فضیلت دی ہیں۔

پس وہ لوگ، ملائکہ سے برتر ہو گئے ہیں کیونکہ فرشتے اپنی جبلت پر پیدا کیے گئے ہیں تو وہ آگے بڑھ نہیں سکتے اسے ان پر سیر اور محنت کا عمل دخل نہیں ہے۔ نہ ہی وہ گھٹ سکتے ہیں اسے کہ ان کے لیے آفات اور مذمومات کا عمل دخل نہیں ہے۔ ان کی جبلت میں طاعات اور عبادات ہی ہیں وہ نہ شہوات سے آزمائے جاتے ہیں نہ ہی آفات سے پرکھے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ انہی کی عبادت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ [10]

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے، سب اسی کے اطاعت گزار ہیں اور وہ دن رات اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور معمولی سا وقفہ بھی نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے دل کا نام، دلوں کی صفات کی انفرادیت کی وجہ سے مفرد رکھا ہے۔ جسموں کی سخت کثافت ان کو اس مقام و مرتبہ سے روکیں تو وہ وجودِ خاکی کی ظلمتوں میں باز رکھنے والے بن جائیں گے اور حقیقتِ انفرادیت ہی کی وجہ سے دل کو ماسوائے اللہ کو چھوڑ کر رب العالمین کیے بنایا گیا ہے۔ سو بظاہر کتنے منفرد دل ہیں جو اپنے رحمتِ خواطر کے غوغا اور اپنے نفسانی وسوسوں اور خواہشات کے درمیان میں ہے؟ اور دل اس وقت تک منفرد نہیں ہو سکتا جب تک کہ ذکر اس کو اس کے علائقِ دنیوی سے قطعِ تعلق نہ کرے۔ اور ذکرِ الٰہی علائقِ دنیوی کو قطع کرنے والا اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک وہ ذکر ذکر قلبی نہ ہو۔ ذکرِ قلبی، زبان کی بول چال ذکر کے تصرف میں داخل ہونے کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ پس جب زبان، ذکر کے زیر حکم آجائے تو وہ ذکر کے حکم کے مطابق خود زبان کی جگہ سے دل کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ پھر جب زبان دل کی طرف منتقل ہو جائے تو ذکرِ

9۔ سورۃ بنیٓ اسرآءیل آیت ۷۰

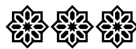
10۔ سورۃ الانبیآء آیت ۲۰

لسانی، ذکرِ قلبی بن جاتا ہے۔ سو اگر دل نہ ہو تو زبان ذکر پر قادر نہیں ہو سکتی۔ یہ زبان کی استقامت کی وہ علامت ہے جس کا تعلق دل کی طرف سے دل کے ساتھ ہے۔

پس جب زبان استقامت لسانی کا درجہ پالے تو وہ دل کی طرف جا سکتی ہے پھر دل استقامت حاصل کر لیتا ہے۔ جب دل اپنے رب کے ساتھ اس طرح قائم ہو جائے جس طرح زبان، دل کے ساتھ قائم ہوئی تھی تو استقامت مکمل و تمام ہو جاتی ہے۔ اور استقامت، صاحبانِ قلب، مشائخ طریقت و حقیقت کی خدمت میں روح کھپائے بغیر تمام نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ بعض مشائخ کا ارشاد ہے:

اِذَا اَرَادَ اللہُ بِالْمُرِیْدِ خَیْرًا اَلْقَاہُ الصُّوْفِیَّۃَ وَاِذَا اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ ذَالِکَ اَلْقَاہُ اِلَی الْقُرَّآءِ مَدَاھِنِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ جب کسی مرید پر بھلائی کرنا چاہے تو اس کو صوفیہ سے ملا دیتا ہے اور جب اللہ کسی مرید پر بھلائی نہ چاہے تو دھوکہ باز قاریوں سے ملا دیتا ہے۔



غیر مطبوعہ رسائل

شرح حدیث سلسلۂ ذہب

حضرت شیخ نور الدین عبد الرحمن اسفرائنی قدس اللہ سرہ

ترجمہ: غلام حسن حسنو

(نوائے صوفیہ کے ہر شمارے میں شاہ ہمدان یا سلسلۃ الذہب کے کسی شیخ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ پیش کیا جارہا ہے۔ شمارہ ہذا میں اس تسلسل کے تحت "رسالہ شرح حدیث سلسلۃ الذہب" ہے۔)

رسالہ شرح حدیث سلسلۃ الذہب کا تعارف

یہ حضرت شیخ نورالدین عبد الرحمن اسفرائنی کا ایک رسالہ ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ کی تشریح و توضیح کے بارے میں ہے۔ یہ کلمہ کلمۂ طیبہ / کلمۂ توحید اور کلمۂ تہلیل کہلاتا ہے۔ اور یہ توحیدی ادیان کی بنیاد ہے اس کا اقرار کیے بغیر کوئی موحد ہو سکتا ہے نہ مسلمان۔ اس کلمہ کو قرآن کریم میں بھی خاص اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے احادیث مبارکہ میں اس کی بے حد و شمار فضیلت بیان ہوئی ہے۔

میر سید علی ہمدانی کی ذکر و اوراد کے موضوع پر لکھی تمام کتب و رسائل میں اس کا ذکر موجود ہے سب سے شاندار انداز کتاب ذکریہ میں آیا ہے جہاں شاہ ہمدان فرماتے ہیں:

توحید:

توحید عنقای قلۂ قاف ذروۂ وثقی است، توحید آفتاب عالم بقا است، توحید شگوفۂ بستان تقوی است، توحید قطب دائرۂ کون و مکان است، توحید مدار زمین و آسمان است، توحید امان جهان و جهانیان است، توحید شهباز هوای فضای لامکان است، توحید مشعل نیران اشواق طالبان است، توحید آرام دل محبان است، توحید مونس جان مشتاقان است، توحید مرہم ریش عاشقان است، توحید محک نقد صادقان است، توحید مھدی راه سالکان است، توحید نور جبین عارفان است، یعنی توحید قربت ارادت سالکوں کے مقامات

کی ابتدا ہے اور اس کا مقصد دشوار مقامات کو طے کرنا اور دریائے توحید کے زلال تک رسائی حاصل کرنا ہے جو طالب حق کی تمنائوں کی معراج ہے توحید ذروئہ وثقٰی کی چوٹی کا عنقاء ہے، توحید عالم بقاء کا آفتاب ہے، توحید لسانِ تقویٰ کی کلی ہے، توحید جہاں کون و مکان کے دائرے کا قطب ہے، توحید زمین و آسمان کی مدار کا سر ہے، توحید جہاں اور جہاں والوں کا جائے امن ہے، توحید فضائے لامکاں کا شہباز ہے، توحید طالبوں کے آتش شوق کا مشعل ہے، توحید محبوں کے دلوں کا قرار ہے، توحید مشتاقوں کی جان کا آرام ہے، توحید عاشقوں کے زخم کا مرہم ہے، توحید صادقوں کے پرکھنے کی کسوٹی ہے، توحید راہ سالکان کا مہدی ہے، توحید عارفوں کی پیشانی کا نور ہے۔

حضرت شیخ نورالدین عبدالرحمن اسفرائنی آداب خلوت میں لکھتے ہیں:

باش تابر گل دلت آید شب نمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

صد ہزاران گلت شگفتہ کند یک نمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ہر دمت عیسیٰ دگر زاید مریمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ملک روح راشود مسجود آدمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اقبال کا

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ

توسب ہر کہ ومہ کی زبان پر ہے۔

جن سے اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کا پس منظر

یہ بے حد مشہور حدیث قدسی ہے اس حدیث کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے، وہ اپنے والد گرامی حضرت امام جعفر الصادقؑ سے، وہ اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقرؑ سے، وہ اپنے والد گرامی حضرت امام علی زین العابدینؑ سے، وہ اپنے والد گرامی حضرت امام حسینؑ سے، وہ اپنے والد گرامی حضرت امام علی المرتضیٰؑ سے، وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اور آپ ﷺ حضرت جبریل امین سے اور وہ اللہ تعالی عزوجل سے روایت کرتے ہیں کیونکہ اس سلسلۂ رُوات میں تمام کے تمام، امام ہیں اس لیے اس

سلسلۂ رُوات کو محدثین سلسلۃ الذھب یعنی سونے کی زنجیر کا نام دیتے ہیں۔

یہ حدیث امام علی رضا علیہ السلام نے سفر ایران کے موقع پر مشہور شہر نیشاپور میں بلند آواز میں بیان فرمایا تھا ایک روایت کے مطابق اس وقت امام سواری پر سوار تھے اور امام کے جلو میں ہزاروں کا مجمع تھا اور اس حدیث کو اہل علم نے قلمبند کیا تھا۔

اس کے کسی قلمی نسخے کا ہمیں علم نہیں لیکن یہ رسالہ شیخ اسفرائنی کے تین دیگر رسائل کے ساتھ مشتاق علی کے زیر اہتمام ایران سے شائع ہوئی ہے مشتاق صاحب نے حسب عادت اس کے کسی قلمی نسخے کا کوئی ذکر نہیں کیا البتہ غیر ضروری تاویل و تفسیر سے حسب عادت خوب کام لیا ہے۔

ہم نے اصل متن کا اردو میں ترجمہ کیا ہے کسی بھی توضیح و تشریح سے گریز کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہِ تالیف:

کسی نے مجھ سے قول رسول خدا ﷺ جو اللہ عزوجل سے نقل فرمایا تھا کہ:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصۡنِیۡ فَمَنۡ دَخَلَ حِصۡنِیۡ اٰمَنَ مِنۡ عَذَابِیۡ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے امن میں رہا، سے متعلق سوال کیا کہ کون اس پناہ گاہ میں داخل ہوگا اور کون خارج؟ کیا اس قلعے میں داخل ہونے یا اس سے خارج رہ جانے والے کی کوئی نشانی بھی ہے یا نہیں؟ بتوفیق خدا جواب یہ ہے۔

کلمہ کے ظاہری حروف کی توجیہ

اے سوال کرنے والے! سب سے پہلے اس کلمہ کی حقیقت سے اس کی ظاہری صورت تولے لے اور جان لے کہ اس کے لیے کوئی انجام ہے اور آغاز بھی۔ پھر میں پند و نصیحت کے طور پر کچھ بولوں گا تاکہ تم قدمِ اختلاف کو نقطۂ انکار سے اٹھا کر دائرۂ صدق و اعتراف میں رکھ لے تاکہ تم وادیٔ محرومی کی پستی میں نہ گرے اور بہرۂ یقین سے محروم ہو کر نہ رہ جائے۔

اما حرف "لا" رد و نفی کے لیے ہے اور یہ اس مضبوط و مستحکم قلعہ کا معنوی دربان ہے تا کہ ہر کسی داخل ہونے والے کو داخل ہونے سے روک دے الا یہ کہ وہ ذکر خدائے تعالیٰ کرے۔

اما لفظ "اِلٰہ" تمام نفسانی جھوٹے بتوں اور شیطانی بے بنیاد اوہام کا جلوہ گر و نمایاں ہونا ہے لیکن اس لفظ کے پہلے حرف "الف" کو اسی قلعہ کے دروازے کے کنجی کی چابی کی حیثیت حاصل ہے تا کہ اس کے ذریعے دوئی کے دروازہ بند اور یکتائی و بے ہمتائی کے دروازے کھولے جائیں۔ اس لفظ کا آخری حرف "ہ" باطل خداؤں اور باطل خداؤں کے چاہنے والوں کی خواہش و تمنا ہے جو نفسانی نفسانی خواہشات کے بازی گری اور فسون کاری کا باعث ہے۔ یہ سب کے سب چونکہ مراد و مطلوب کا غیر ہیں۔ شریعت، طریقت، اور حقیقت میں یعنی ہر حال خواہ ظاہری ہوں یا خواہ باطنی، مردود ہیں کیونکہ کوئی بھی بت روئے زمین پر معبود واقع نہیں ہوا جو نفسانی خواہشات سے زیادہ بلند و بالا ہو۔ اسی لیے حرف نفی جو "لَا اِلٰہَ" ہے، میں تمام بتوں اور ماسوی اللہ کے نفی کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ حرف اثبات "اِلَّا اللّٰہ" سے ذات واحد کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ کسی چیز کی نفی کے بعد اثبات حصر و انحصار کا مقتضی ہوتا ہے۔ اسی بناء پر اسے "کلمۂ توحید" کا نام دیا گیا ہے۔

"اِلٰہَ" کے "ھا" کا دائرہ پناہگاہ کے پھاٹکوں کے ختم کرنے اور انہیں مسدود کرنے کے لیے ہے تا کہ بیگانے وہاں سے دفع ہو جائیں۔ ایسے افکار و اذکار کو جنہیں شیطان نے اس پناہگاہ میں پھینک دیے ہوں، وہاں سے دور کر دیں۔ غبارِ کفر اور کدوراتِ شرک کو اس منزل سے اس طرح نکال باہر کریں اور اسے دھو ڈالیں کہ ذکر الٰہی کے سوا پھر کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکیں کیونکہ ممکن ہے کہ مختلف اذکار اور گوناگون افکار جو راہ سلوک میں پیدا ہوتے ہیں، وہی اس کے لیے بت بن جائیں اور اسے ذاتِ احدیت کے قرب سے دور کر دیں۔

یہیں پر لفظِ "اِلَّا" (کا مطلب) یہ ہے کہ جو شخص بغیر کسی رکاوٹ و مزاحمت کے کسی جگہ پہنچ جائے وہ اپنے مراد و منزل کو پہنچ جائے گا اور جو شخص اپنے ساتھ کسی غیر اللہ کو بھی اس میں داخل کرتا ہے، حقیقت میں وہی مشرک ہے۔ اور:

وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ (یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ مشرک ہیں۔

یہاں لفظ" اَللّٰہ "جو دو الف، دولام اور ایک ھا سے مرکب ہے۔ایک الف الگ اور دوسرا الف اللہ سے متصل ہے۔ جدا اور الگ الف، الفِ ازل ہے کیونکہ ازل عالم وجود سے جدا ہے۔اور الف متصل الفِ ابد ہے اور عالم وجود ابد میں داخل ہے۔لام اور الف متصل کے درمیان مد ہے یہ ازل سے ابد کی جانب کشش کے اندازے پر ہے۔ان کے درمیان ایسے احوال اور ایسے اسرار ہیں جن کے بیان کرنے سے زبان لال (گنگ) اور انہیں آشکار کرنے سے عقل عاجز و قاصر ہے۔

لام اول لامِ لطائف اسرارِ ازلیِ الٰہی اور لام دوم لامِ آلاء (انعامات) و نعمتہائے الٰہی ہے۔لامِ اول میں الف الفِ انس ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے لطائف و اسرار میں سے ایک سِرّ ودیعت ہے۔لام اول میں میم میمِ منیت یعنی آرزو و خواہش ہے کہ نعم انس کے سر میں سے ہے۔لامِ دوم میں الف الفِ امن ہے جو ایمان سے مشتق ہے۔

لامِ اول میں دوسرا میم میمِ مراد ہے اور لامِ دوم میں دوسرا میم میمِ مرید ہے کیونکہ مرید اور مراد ایک دوسرے سے متعلق اور باہم متحد ہوتا ہے اور غیر سے جدا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صفتِ خالقیت کا اسرار بدیعہ (عجیب و بے مثال) مخلوقات کی پیدائش، بناوٹ اور ایجاد میں متوقف ہے۔

پس میم مرید، میمِ معرفت اور میمِ مراد، میمِ محبت ہے اور محبت محب میں محبوب کی صفت ہے اس لیے محبوب مرید کا مراد ہے اور مرید محبوب کا مراد۔اس صورت میں معرفت کے دروازے صدفِ محبت میں مخفی و پوشیدہ ہے اور صدف محبت دریائے لاہوتی میں ڈوبا ہوا اور غرق ہے۔

ریاضت و مجاہدہ:

جب سمندر و دریائے لاہوتی میں موجیں اٹھیں اور اس کے مدو جزر کو ساحل پر دے مارا تا کہ عالم کون و مکان کو فیض اول کی تکوین کے ذریعے ظاہر کرے اور صدفِ معرفت کی موتیوں کو ساحل پر پہنچا دے۔پس اگر ابتداء میں نورِ محبت ارواح اس کے حامل کے لیے کالی اور تاریک گھٹاؤں میں محجوب ہو تو اس نور محبت کے طلب کا ظہور ابتدا ہی میں محب پر غالب اور حاوی ہو جائے گا اور اس کو اتنا محکوم و مغلوب بنا دے گا کہ غفلت شیطانی کے بیابانوں میں سلوک کریگا اور خواہشاتِ نفسانی کی تنگیوں کو پس پشت ڈال دے گا یہاں تک کہ وہ آسمانِ روحانیت

میں عروج کرے گا۔ ملکوتی سمندروں میں غوطہ زن ہو گا اور بحار لاہوتی کی ساحلوں پر چہل قدمی کرے گا۔ محب اور محبوب کے درمیان پڑے ہوئے حجاب اور پردے کو اٹھا دیں گے تا آنکہ رب رحیم اس پر تجلّی فرمائے گا اس وقت مرید اپنے مراد سے واصل ہو جائے گا اور محب اپنے محبوب سے متصل ہو جائے گا۔

اس موقع پر علم یقین حاصل ہو گا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کا وجود ثابت نہیں ہو گا کیونکہ علم غیر کے وجود کو گناہ سمجھتا ہے اسی سر کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (محمد:۱۹)

پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کی بخشش چاہ!

یعنی اپنے وجود کے پنہاں موجودگی کی جانب دھیان رکھ تاکہ تمہاری نظر خود اپنے وجود پر نہ پڑے اور تمہارا وجود ہماری موجودگی کے لیے پردہ نہ بن جائے۔

اما لفظ اللہ کہ ہا کا دائرہ احاطۂ الٰہیہ کی صورت ہے اس میں ایسے حقائق اور دقائق ہیں جنہیں ہر کوئی نہیں سمجھ سکتے بجز یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو سمجھا دے۔

ہا کے درمیان موجود سفیدی میدانِ ہویت واحدیہ ہے کیونکہ اس مقام میں حیرت واقع ہوتی ہے اور بندے کا کمال فقر اس کے سوا کسی اور جگہ تکمیل کو نہیں پہنچتی جیسا کہ کہا گیا ہے:

اَلْفَقْرُ بَيَاضٌ يَنْعَدِمُ فِيْهِ كُلُّ مَوْجُوْدٍ وَ يَتَبَيَّنُ فِيْهِ كُلُّ مَفْقُوْدٍ

فقر ایسی سفیدی ہے جس میں موجود کالعدم ہو جاتی ہے اور ہر مفقود وہاں نمایاں وواضح ہو جاتی ہے۔

یعنی فقر وہ سفیدی ہے جس میں تمام موجود مفقود اور تمام مفقود مبین ہو جاتی ہے۔

کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے فائدے:

اس صورت میں یہ حروف جب بھی کسی کی زبان پر آجاتا ہے تو یہ کلمہ ترتیب وار اس کے ساتھ ہی درونِ غیب سے عالم شہادت میں نکل آتا ہے۔ پس اس کلمہ کی شکل وصورت ہی اس کے پڑھنے اور ورد کرنے والے کے لیے پناہ گاہِ مجازی بن جاتا ہے اور وہ دنیا میں اس (کے جان ومال اور عزت وآبرو) کی حفاظت کرتا ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے آخرت میں اس کی حمایت وحفاظت نہیں کرتا الا یہ کہ اس میں خلوص واخلاص موجود ہو۔

یہ ایک سرّ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اس کلمہ کو صحیح طور پر پیش کریں کہ:

"میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے پر مامور ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھیں۔پس اگر انہوں نے اسے پڑھ لیا ان کا خون اوران کے اموال میری پناہ میں محفوظ و مامون ہیں"۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ علم ازل کے عالم میں سّرِ کلمہ کا نور ہے اور پر تَوِ نور ہدایت سے جدا نہیں بلکہ دونوں متحد و یکجا ہیں اور دونوں ذات حق کی عطا و بخشش گاہ سے عالم صفات کی جانب اتر آئے ہیں اور کلمہ کے دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا مظہر بن گیا ہے۔ایک صورت کلمہ کا مظہر بن گیا اور دوسرا روح محمدی کا۔ پھر آنحضور ﷺ کے روح بزرگوار سے تمام ارواح کو جاری ہوا۔ چنانچہ یہ کلمہ اس عالم میں اجسام پر پیش ہوتا ہے جس کی روح کے لیے تمام عالم ارواح میں نور ہدایت سے کوئی حصہ یا نصیب ہو وہ اس اصلی نور ہدایت کی بدولت سرّ کلمہ کو پہچان لیتا ہے اور وہ اس کی جانب راغب ہوتا اس سے متمسک و وابستہ ہو جاتا ہے اس پر ایمان لا کر امن و نجات تک پہنچ جاتا ہے یہ اس قلعہ سنگین میں داخل ہونے کی علاُمت ہے۔

صورت کلمہ ٔلا الہ الا اللہ:

وہ لوگ جنہیں عالم ارواح میں عالم کلمہ سے کوئی حصہ یا نصیب نہیں ملا۔وہ اس کو نہیں جانتے وہ اس کی ظاہری شکل و صورت کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتے۔پس وہ پہلے منافق پھر گمراہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔یہ اس قلعہ سے خارج ہونے کی علاُمت ہے۔اسی نور کے سرِّ سعادت کے اظہار اور حقیقت شقاوت کی پردہ دری کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں سے جنگ کریں یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔تاکہ مقبول ازلی اور مردودِ ابدی کی شناخت و پہچان ہو جائیں۔یہ ہے حقیقت کلمہ۔

باطن کلمہ ٔلا الہ الا اللہ اور حصول یقین

اس کلمہ کے باطن کی حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ خبر میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت سید البشر ﷺ نے حضرت حارثہ سے سوال کیا کہ:

اے حارثہ! تم نے صبح کیسے کی؟جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں مؤمن حقیقی تھا۔ فرمایا کہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے پس تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟جواب دیا کہ میں نے خود کو

دنیاسے باز رکھ دیا ہے۔ میں دن کو بھوکا رہتا (روزے سے ہوتا) ہوں اور رات کو بیدار۔ گویا عرش پروردگار کو کھلی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں نیز میں اہل جنت کو جنت میں دیدار خداوندی کرتے ہوئے اور اہل دوزخ کو دوزخ میں ایک دوسرے سے دور بھاگتے ہوئے دیکھتا ہوں"۔

رسول اللہ نے حقیقت ایمان سے متعلق سوال اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اس مطلب کا جواب دیا جو عین الیقین ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:

اَبْصَرْتَ فَالْزَمْ تم نے حقیقت پالیا ہے اب اس پر ثابت قدم رہو۔

یعنی تم پہنچ چکے ہو اسے مت چھوڑو اور اس پر جمے رہو کیونکہ یہی مغز ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو وعدے اور وعید اور مخفی امور ارشاد فرمائے ہیں جن پر ایمان رکھنا واجب ہے۔

اسی معنی میں حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

لَوْ کَشَفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدَتُ یَقِیْنًا یعنی اگر پردہ اٹھایا جائے تو یقین نہیں بڑھے گا۔

کیونکہ غیب و شہادت دونوں غیبی پردے ہیں جو حائل ہوتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو غیب کو غیب نہیں کہتے کیونکہ غیب کا مطلب کسی غائب شے کی خبر دینا ہے اور غائب حاضر نہیں ہوتا اور جو حاضر نہیں ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

غیب و شہادت میں حائل پردے:

اما حجاب اور حجاب کے درمیان فرق کیا ہے ؟ بعض کشف و ظلمات تاریک ہوتا ہے اور بعض لطیف و نورانی۔ پس کثیف کسی بھی چیز کو چھپا دیتا ہے اور لطیف نہیں چھپاتا۔ اما جو کچھ غیب میں ہے کسی چیز کو کدورات حجاب کے ساتھ جب تک کوئی مخبر صادق اس کی خبر نہ دے نہیں سمجھ سکتا کیونکہ وہ غیب غایب ہے پس جو بھی مخبر صادق کی اور اس کے خبر کی تصدیق کرتا ہے، وہ مؤمن ہے کیونکہ اس کے نزدیک مخبر صادق امین ہے پس اس کی تصدیق کو خود پر واجب سمجھتا ہے مثلاً حال حضرت ابو بکر! جب رسول اللہ نے فرمایا کہ "میں پیغمبر مبعوث ہوا ہوں" انہوں نے فوراً کہا کہ آپ نے سچ فرمایا اور اس جماعت کو جس نے رسول اللہ پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے میں تامل کیا آیات دلائل، معجزات اور خطوط جو خرق عادات سے عبارت ہیں، بیان فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے بھی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔ اس صورت میں تصدیق اور ایمان کا معنی و مطلب ایک

ہے۔ اسی لیے ایمان کو ایمان کا نام دیا گیا ہے کہ مؤمن کے نزدیک مخبر صادق امین ہوتا ہے جس کی خبروں میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ اس مقام میں نورِ ایمان حجاب و پردوں میں داخل ہو کر اثر انداز ہوتا ہے۔

پردوں کی اقسام اور بذریعۂ ذکر ان کا اٹھالینا:

پس پردہ دو قسم کی ہیں۔

(ا) غیب و شہادت کے درمیان حائل پردہ۔

اور (۲) ذاکر و مذکور کے درمیان حائل پردہ۔

ذاکر و مذکور کے درمیان حائل پردہ بصورت کلمہ ہوتا ہے بناءبریں اسرار کلمہ میں نئے نئے انوار و الہامات در آتے ہیں اس مقام میں مؤمن سالک سیار پر واجب ہے کہ:

(وہ ان میں پڑے بغیر) حق تعالیٰ سے تقرب حاصل کرکے اور ذکر پر مداوَمت کرے۔

دل کو تمام خیالات سے خالی رکھے۔

کثرت سے نوافل بجالائے۔

واجبات اور مجاہداتِ پسندیدہ کو شریعت محمدیہ کے مطابق ادا کرے۔

خلوص نیت اور پاکیزگئ دل کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔

یہاں تک کہ انوار ذکر سے متصل ہو جائے۔ اس اتصال عبد کے دریعے قرب حضرت مذکور میں پہنچ جائے۔ صفات مذکور کے انوار قلبِ ذاکر پر منعکس ہو جاتے ہیں اس صورت میں کلمہ حجاب بن جاتا ہے۔ ذاکر اسے پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا خواہ ایک لفظ ہی سہی۔ کیونکہ صورت کلمہ مخلوق و حادث ہے زبان ذاکر بھی قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے) لیکن کلمہ تو قدیم ازلی ہے پس جس طرح زبان حادث ذکر قدیم کرتا ہے، مذکور ذاکر اور ذاکر مذکور بن جاتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

فَاذْكُرُوْنِيٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ:۱۵۲) تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

یعنی تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہارا ذکر بغیر حرف و آواز کروں گا یعنی جس طرح تم میرا ذکر کرتے ہو اور میرا ذکر تم پر غلبہ پاتا ہے جب میرے ذکر نے تم پر غلبہ پایا تو تم میرا اور میں تمہارا عاشق بن جاتا ہوں اور حدیث نبوی میں سید

البشر سے منقول ہے کہ:

اِذَا کَانَ الْغَالِبُ ذِکْرِیْ عَلٰی عَبْدِیْ عَشَقَنِیْ وَعَشَقْتُهٗ جب میرا ذکر بندے پر حاوی ہو جاتا ہے تو گویا وہ مجھ سے اور میں اسے عشق کرتا ہوں۔

یعنی جب میرا ذکر بندے پر غالب ہوتا ہے تو وہ میرا عاشق بن جاتا ہے اور میں اس کا۔ پس جب میں تیرا عاشق ہو جاتا ہوں تیرا ذکر کرتا ہوں اور جب تیرا ذکر کرتا ہوں تیرا ذکر مجھے تیرے ذکر میں مشغول رکھتا ہے اور تم میرا مذکور بن جاتا ہے اور میں تمہیں فراموش نہیں کرتا اور تم بھی ابداً مجھے فراموش نہیں کروگے کیونکہ میری ذات صفت نسیان سے پاک و منزہ ہے اور نسیان تو صفت عبد ہے نہ کہ صفات رب میں سے۔

پس میرا ذکر تیرے لیے حادث نہیں کیونکہ تو عالم ازل میں مذکور تھا اور اگر مذکور نہ ہوتا تو تیری موجودگی مسلم نہ ہوتا۔ تیرا وجود میرے ایجاد و تخلیق کے بعد حادث ہوا ہے اور وہی وجود میرے ذکر کے لیے حاجب و پردہ بن گیا ہے۔ اس امر کی بنا پر میں بکثرت ذکر کرتا ہوں تاکہ میرے اور تیرے درمیان موجود حجاب اٹھ جائے جب پردے مرتفع ہو جائیں تو پھر اپنے ذکر کا محتاج نہیں رہا اس وقت مذکورہ آیت کی حقیقت تک پہنچ جاؤ گے۔

پس ذکر زبانی اسی طرح جو کہا گیا ہے، اس مقام میں تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ذکر قلبی بھی جو وسوسہ کا حامل ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی مشارب قرب میں سے ایک مشرب ہے۔ نہیں دیکھتے کہ خدائے تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو نزدیک و قرب الٰہی کا کیسے حکم فرماتے ہیں؟

اِثْنِ عَلَیَّ میری ثناء بیان کر۔

رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا:

اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ تو وہ ہے جس نے خود اپنی ثناء کہی۔

یعنی میری زبانِ حادث مخلوق جس پر تیرا ذکر جاری ہوتا ہے، کیونکر تیری ثناء بیان کر سکتی ہے؟ خلاصہ یہ کہ اس مقام و مرتبہ تک پہنچنے کے لیے:

زیادہ کوشش اور جدوجہد کرنی چاہئے۔

دل کو صیقل (قلعیٔ) ذکر الٰہی کے ذریعے پاک کرنا ہوگا۔

اسے بشری کدورتوں کے میل وزنگ سے پاک کرنا ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

وَاِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَّصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللہِ ہر زنگ زدہ کے لیے قلعی ہے دل کا قلعی ذکر اللہ ہے یعنی ہر چیز کو پاک کرنے، دھونے اور چمکانے والی کوئی چیز ہوتی ہے دل کے لیے یہ ذکر خدا ہے۔

تذکیۂ نفس کے فائدے:

نیز سب سے مقدم تذکیۂ نفس میں جدوجہد ہے۔ یہ کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی ہے۔ خیالات تاریک و ظلمات سے نجات اسی میں ہے۔ اس وقت وہ انوار جو پردے میں داخل ہیں، روشنی پیدا کرتے ہیں اور وہ انوار جو سرّ کلمہ ہیں، الواح دل کے آنگن پر شدت کے ساتھ پے درپے منعکس ہوتے ہیں پھر دل سے ان پردوں پر جو غیب و شہادت کے درمیان ہیں، پڑتے ہیں یہاں تک کہ دل سے تمام کثافات اور کدورات زائل ہوکر صاف وشفاف آئینہ بن جاتا ہے جو کچھ غیب میں ہوں، انہیں اسی طرح واضح دکھا دیتے ہیں۔ اس موقع پر اس کو وعدہ اور وعید کہ جن پر ایمان واجب ہے، پر کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ بندہ کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ جو پردے غیب میں ہوتے ہیں، اس پر وہ مکشوف اور واہو جاتے ہیں اسی لیے فرمایا ہے کہ:

لَوْ کَشَفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدَتْ یَقِیْنًا یعنی اگر پردہ اٹھایا جائے تو یقین نہیں بڑھے گا۔

کیونکہ وہ مغیبات کو اسی طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح دوسرے مشاہدات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو ان کا مشاہدہ کرتا ہے ان کے لیے غیب اسی طرح نمایاں اور واضح ہو جاتا ہے جیسے وہ ہوتے ہیں غیب کی حقیقت وماہیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا ہے مَا ازْدَدَتْ یَقِیْنًا یعنی اگر پردہ اٹھایا جائے تو یقین نہیں بڑھے گا۔

پس جب تک پردہ کثیف وغلیظ (دوبیز) ہوتا ہے غیب میں جو بھی ہو اس سے محجوب ہوتا ہے حالانکہ غیب پر ایمان واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرۃ:۲۔۳) یہ ان متقین کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

جب تک اوصاف انسانی کی آگ (اور اس کے دھواں) باقی ہوتی ہے وہ اسرار انوار پر غالب و حاوی ہوتا ہے، اس کے دریچۂ دل پر اس کا دھواں پڑتا ہے اور اسے مکدر بنا دیتا ہے، اس پر ابوابِ مغیبات کو مسدود کرتا ہے اور اس کے انوار دل کی شعاعوں سے جو انوار ایمان سے بالکل متصل ہوتے ہیں شیطان جس سے بھاگ جاتا ہے، مانع و رکاوٹ بنتا ہے۔

جب پردہ پاک ہو جاتا ہے تو وہ اٹھ جاتا ہے اور غیب میں جو وعدہ اور وعید ہیں اسی طرح اسے دکھائی دیتا ہے جسے ہم نے مشاہدۂ حادثۂ ذکر میں بیان کیا ہے۔ جہاں کہا تھا کہ:

''میں اہل جنت کو جنت میں دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں''۔

اس مقام پر رسائی کی بناء پر حقیقت ایمان میں وصول و رسائی ہے جس کی سید الانبیاء ﷺ نے شہادت دی ہے اور آپ نے فرمایا کہ:

اَبۡصَرۡتَ فَالۡزَمۡ تم نے حقیقت پالیا ہے اب اس پر ثابت قدم رہو۔

حضرت حارثہ نے کَاَ گویا میں دیکھ رہا ہوں ت سے تشبیہ کے لیے اشارہ کیا اور علی نے کلمۂ لَوۡ یعنی اگر سے۔ یہ اکمل، افضل اور اتم ہے۔

کون داخل اور کون خارج؟

پس یہ کلمہ لا الہ الا اللہ سالک کے لیے گنجینۂ انوار، اسرار ایمان اور زینۂ عروج ہے۔ اسی میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا نور ہے۔ پس مبتدی کا حصن (قلعہ، چھاؤنی) کلمہ میں داخل ہو جانا نور علم کے ذریعے ہوتا ہے پھر یہ نور اسے آگے لے جاتا ہے اور اسے مقامِ عین الیقین میں پہنچا دیتا ہے پھر وہ اسے مزید آگے لے جاتا ہے اور وہ اسے حق الیقین میں پہنچا دیتا ہے۔ یہی حصن حقیقی ہے اسی لیے حق تبارک وتعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے حِصۡنِیۡ میرا قلعہ اور میری چھاؤنی فرمایا ہے تاکہ اسے تخصیص کو پہنچا دے۔

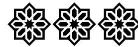
جو لوگ حق الیقین کے مقام میں پہنچ گئے حصنِ حقیقی میں وہ داخل ہوتے ہیں وہی اپنے مطلوب و مراد سے واصل ہو جاتے ہیں۔

اما لفظ:

عَصَمُوْا انہوں نے بچایا

حکم عام ہے اس میں دنیوی واخروی عصمت دونوں شامل ہے جن لوگوں نے حقیقت حصن کلمہ میں سلوک کیا وہ آخرت میں محفوظ ہیں اور جنہوں نے زبانی قول پر قناعت کرلیا وہ (آخرت میں کجا) دنیا میں محفوظ نہیں ہے۔

پروردگارا! محمد وآل محمد، تمام انبیاء و مرسلین پر اپنی پایاں رحمتیں نازل فرما! اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما (آمین)



تعارف مخطوطات

رسالہ المودۃ فی القربیٰ

محمد یعقوب براہوی سویڈن

حضرت سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ جنہیں اہل کشمیر و پاکستان شاہ ہمدان، مخدوم کشمیر اور اہل بلتستان حضرت امیر کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ راقم ایک بار آپؒ کے روضہ انوار پر حاضری کے لیے تاجکستان پہنچا تو معلوم ہوا کہ اہل کولاب آپؒ کو حضرت امیر جان کہتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں آپؒ کو سید السادات، سالار عجم کے القابات سے یاد کیا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے کشمیر و بلتستان کے علاقوں میں مختصر قیام کے دوران ظلمت میں گھرے ہوئے بدھ مت کے باسیوں کو نوراسلام سے منور کیا یہی وجہ ہے اس خطے میں بسنے والے تمام مسلمان مسلکی قیود سے آزاد حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے قدم مبارک سے اس خطے کے ثقافت، تہذیب و تمدن اور معاشیات میں حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ حضرت امیر کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کو ریاضت، مجاہدات اور دعوت دین تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپؒ بہت بڑے سیاح بھی تھے۔ محققین کے مطابق آپؒ نے تین بار سیاحت کی۔ آپؒ باذوق شاعر اور باسلیقہ انشا پرداز بھی تھے یہی وجہ ہے کہ آج یورپ ہو یا امریکہ، ایشیا ہو یا آسٹریلیا تمام بڑے کتابخانوں میں صدیاں گزرنے کے باوجود آپؒ کے علمی آثار مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف و تالیفات میں تحریفات اور آپؒ کی شخصیت کو اپنے اپنے مکاتب فکر کے سانچے میں ڈالنے کی کوششیں فی زمانہ ہوتے آیا ہے بعض اوقات تو ہم نام ہونے کی بنا پر اشتباہ سے کئی کتب و رسائل کو بھی شد و مد کے ساتھ آپؒ سے منسوب کیا جانے لگا اُن میں رسالہ در معرفت مذھب اہل تصوف، رسالہ فی سواد اللیل ولباس الاسود اور رسالہ المودۃ فی القربیٰ شامل ہیں۔ یہاں ہم آپؒ سے منسوب مشہور رسالہ المودۃ فی القربیٰ پر مختصر گفتگو کرتے ہیں۔ بیشتر تذکرہ نگاروں اور محققین نے ایک دوسرے

کی دیکھا دیکھی رسالہ مودۃ فی القربیٰ کو میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ایک اندازے کے مطابق ابھی تک اس کتاب کے 7 بار مختلف لوگوں نے اردو ترجمے کیے ہیں۔جو پاکستان ہندوستان اور کشمیر سے شائع ہو چکے ہیں۔یہ رسالہ مدرسہ شاہ ہمدان سکردو کے نصاب میں شامل ہے اس کے علاوہ نور بخشی علماء اکثر اپنے تقاریر میں مودۃ فی القربیٰ کو بطور ریفرنس دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔یہ معروف رسالہ شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔سلمان قندوزی متوفی 1294 نے اس رسالے کو اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں شامل بھی کیا ہے۔ حقیقت میں یہ رسالہ سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین علوی کا ہے جو فقہی اعتبار سے اہل تشیع مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا۔موصوف نے سیاہ رنگ کے لباس پہننے کی فضیلت اور سیاہ رنگ کی توجیہات پر ایک رسالہ فی سواد اللیل و لباس الاسود لکھا ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتابوں میں وہ سیاہ پوش کے نام سے جانے جاتے ہیں۔یہاں بھی نام کے اشتباہ کی وجہ سے ایرانی محقق جناب ڈاکٹر مہدی درخشان نے اپنی کتاب بزرگان و سخن سرایانِ ہمدان میں حضرت شاہ ہمدان کو سیاہ پوش کہا ہے۔اُن کے بعد کئی ایرانی مقالا نگاروں نے حضرت شاہ ہمدان کے لیے سیاہ پوش کا لفظ استعمال کیا ہے۔ رسالہ فی سواد اللیل و لباس الاسود کا ایک نسخہ البیرونی انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹیڈیز تاشقند میں محفوظ ہے۔گزشتہ سال کھوٹہ پاکستان سے جناب سید زبیر حسین شاہ بخاری صاحب نے اس رسالے کے اُردو ترجمہ اور متن کی نظر ثانی کے حوالے سے مزید قلمی نسخوں کی تلاش کے سلسلے میں ہم سے رابطہ کیا تھا۔ اس سال پاکستان کے سفر کے دوران معلوم ہوا کہ موصوف کا انتقال ہوگیا ہے۔اب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُنھوں نے وہ کتاب کس سے منسوب کر کے شائع کی ہے یا حقیقت جاننے کے بعد شائع کرنے کا ارادہ ترک کیا ہے واللہ اعلم۔

سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین علوی 830ھ میں فوت ہوئے اور ہمدان میں گنبد علویان جو سلجوقی دور کا ایک عظیم تاریخی ورثہ ہے، میں مدفن ہے۔ہم نام ہونے کی بنا پر اشتباہ سے رسالہ مودۃ فی القربیٰ کو ہر آنے والے نے بلا تحقیق شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف قرار دیا۔حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے نسب کے حوالے سے یہ بات مستند ہے کہ آپؒ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپؒ نے کئی تصانیف کے مقدمے میں جہاں اپنا نام مبارک لکھنا ضروری سمجھا ہے وہاں آپؒ نے اپنا پورا نام سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین تحریر فرمایا ہے۔جب کہ

اس رسالے کے تمام قلمی نسخوں میں مولف نے اپنا نام سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین علوی لکھا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب پر اولین کتاب خلاصۃ المناقب میں جہاں آپ کے والد بزر گوار کی طرف سے حسب ونسب کی عظمت کا ذکر فرمایا ہے وہیں پر آپؒ کے اس مشہور قول کو بھی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والدہ ماجدہ کی طرف سے میرا نسب 17 وسیلوں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ آپؒ کے مناقب پر دوسری قدیم ترین مستند کتاب منقبت الجواہر میں بھی خلاصۃ المناقب کے مطابق حسب ونسب یوں بیان ہوا ہے۔

سید علی ہمدانی ابن سید شہاب الدین ابن محمد ابن علی ابن شرف ابن محب ابن محمد ابن جعفر ابن عبداللہ ابن محمد ابن علی حسین ابن حسن ابن جعفر ابن عبداللہ زاہد ابن حسین ابن علی زین العابدین ابن حسین الشہدا ابن علی مرتضی سلام اللہ علیہم اجمعین۔

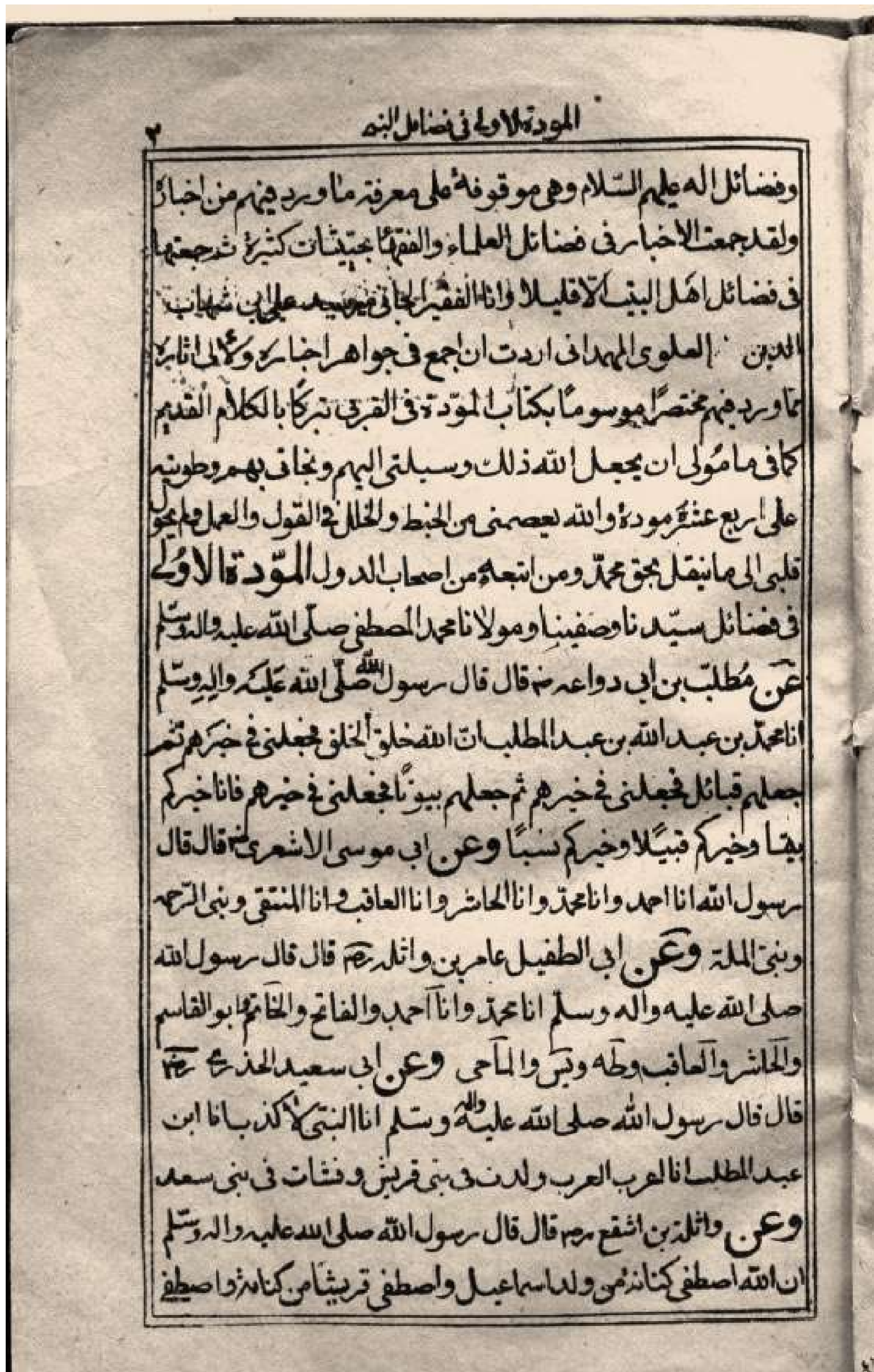
رسالہ المودۃ فی القربیٰ کے باب ائمہ اطہار میں ایک حدیث یوں نقل ہوا ہے:

وعن ابن عباس قال قال رسول الله ان الله فتح هذا الدين بعلى فاذا مات على فسد الدين ولا يصلحه الا المهدى بعده۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے جناب رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دین کو علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کے ذریعے فتح عطا کی جب علی کا (انتقال) ہو گا تو دین میں شرارت پیدا ہو گی جس کی اصلاح مہدی کے سوا کوئی نہیں کر سکے گا۔

مذکورہ حدیث کس معیار کا ہے اس کا تعین اہل علم ہی بتا سکے گا۔ اس حدیث میں فسد الدین کا اُردو ترجمہ کچھ مترجم حضرات نے دین فاسق ہو گا لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے علماء کے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ دین میں بگاڑ یا شرارت پیدا ہونا ہے۔ مولفینِ سیرۃ المعصومین نے اس حدیث کے ترجمے میں دین فاسق ہو گا لکھا تھا جس کی بنیاد پر حکومت پاکستان نے کتاب پر پابندی عائد کی اور اس کے مولفین پر علماء کا فتوہ صادر ہوا ہے۔ غالباً سیرۃ المعصومین کی مولفین کے خلاف اب بھی اس کتاب کے مندرجات کے خلاف کئی مقدمات عدالت میں زیر سماعت ہیں۔

کتاب خانہ مرکزی مدرسہ عالی شہید مطہری ایران



المودة الاولى في فضائل النبي ٢

وفضائل آله عليهم السلام وهي موقوفة على معرفة ما ورد فيهم من اخبار
ولقد جمعت الاخبار في فضائل العلماء والفقهاء مجلدات كثيرة ثم جمعتها
في فضائل اهل البيت الا قليلا وانا الفقير الجاني علي بن شهاب
الدين العلوي الهمداني اردت ان اجمع في جواهر اخبارهم وآلي آثارهم
مما ورد فيهم مختصرا موسوما بكتاب المودة في القربى تبركا بالكلام القديم
كما في مامولي ان يجعل الله ذلك وسيلتي اليهم ونجاتي بهم وطويته
على اربع عشرة مودة والله يعصمني من الخبط والخلل في القول والعمل ولم يحول
قلبي الى ما ينقل بحق محمد ومن اتبعه من اصحاب الدول المودة الاولى
في فضائل سيدنا وصفينا ومولانا محمد المصطفى صلى الله عليه وآله وسلم
عن مطلب بن ابي وداعة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم ثم
جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم فانا خيركم
بيتا وخيركم قبيلا وخيركم نسبا وعن ابي موسى الاشعري رض قال قال
رسول الله انا احمد وانا محمد وانا الحاشر وانا العاقب وانا المنتقى ونبي الرحمة
ونبي الملحمة وعن ابي الطفيل عامر بن واثلة رض قال قال رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم انا محمد وانا احمد والفاتح والخاتم وابو القاسم
والحاشر والعاقب وطه ويس والماحي وعن ابي سعيد الخدري رض
قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم انا النبي لا كذب انا ابن
عبد المطلب انا اعرب العرب ولدت في بني قريش ونشأت في بني سعد
وعن واثلة بن اشقع رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
ان الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى

ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ انڈیا



رب یسر و تمم بالخیر
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی ما انعمنی اولی النعم والطفنی المودۃ حبیبہ جامع
الفضائل والکرم الذی بعثہ اللہ رسولا الی کافۃ الامم محمد الامی
العربی صلی اللہ علیہ و سلم و بعد فقد قال اللہ تعالی قل لا
اسالکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی و قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ والہ وسلم احبوا اللہ لما اغذکم من نعمہ واحبونی
بحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی فلما کان مودۃ آل النبی مسئولا
عنا حیث امر اللہ تعالی حبیبہ العربی بان لا یسال عن قومہ سوی
المودۃ فی القربی وان ذلک سبب النجاۃ للمحبین وموجب فوزہم

ابیہ الی آلہ علیہم السلام کما قال علیہ السلام من احب قوما
حشر فی زمرتہم وایضا قال علیہ السلام المرء مع من احب فوجب
علی من طلب طریق الوصول ومنہج القبول تعظیم الرسول
ومودۃ اھل بیت البتول وھذہ لا تحصل الا بمعرفۃ خصائلہم
وفضائل آلہ علیہم السلام وھی موقوفۃ بما ورد فیہم من اخبار
ولقد جمعت الاخبار فی فضائل اھل آلہ والفقراء مجلدات
کثیرۃ وصنف فی فضائل اھل البیت الا قلیلا فلذا وانا
الفقیر الجانی علی الھمدانی اردت ان اجمع فی جواھر
اخبارھم وکلمات آثارھم مما ورد فیہم مختصرا موسوما بکتاب
المودۃ فی القربی تبرکا بالکلام القدیم کما فی ما مولی ان
یجعل اللہ ذلک وسیلتی الیہم ونجاتی بہم وطویتہ علی
اربع عشر مودت واللہ یعصمنی من الخبط والخلل فی القول
والعمل وھو حسبی فلیس الی ما لا یقبل ببحث محمد من انبیہم من

ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله على ما انعمنى ولي النعم والهمنى الى مودّة حبيب جامع الفضائل والكرم الذي بعث الله رسولا الى كافة الامم محمد الامي العربي صلى الله عليه وآله وسلم وبعد فقد قال الله تعالى ﴿قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة في القربى﴾ وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم احبوا الله لما ارفدكم من نعمة واحبو ني لحب الله واحبوا أهل بيتي لحبيّ فلما كان مودة آل النبي مسئولاً عنها حيث امر الله تعالى لحبيبه العربي بان لا يسأل عن قومه سوى المودة في القربى وان ذلك مسبب النجاة للمحبين وموجب وصولهم اليه والى آله عليهم السلام كما قال عليه السلام «من أحبَّ قوماً حشر في زمرتهم» . وايضاً قال عليه السلام «المرء مع من احب» فوجب على من طلب طريق الوصول ومنهج القبول محبة الرسول ومودة اهل بيت البتول وهذه لا تحصل الا بمعرفة فضائله وفضائل آله عليهم السلام وهي موقوفة على معرفة ما ورد فيهم من اخبار ولقد جمع الاخبار في فضائل العلماء والفقهاء بحيثيات كثيرة ثم جعلها في فضائل اهل البيت الا قليلا وانا الفقير الجاني مير سيد علي ابن شهاب الدين العلوي الهمداني اردت ان اجمع في جواهر اخباره ولألي اثاره مما ورد فيهم مختصراً موسوماً بكتاب المودة في القربى تبركاً بالكرم القديم كما في مأمولي ان يجعل الله ذلك وسيلتي اليهم ونجاتي بهم وطويته على اربع عشرة مودة والله يعصمني من الخبط والخلل في القول والعمل ولم يحول قلبي الى ما ينقل بحق محمدّ ومن اتبعه من اصحاب الدول .

احوال الاولیاء (اشاعت خصوصی)

امام الاولیاء حضرت علی المرتضی (علیہ السلام)

عبدالرحمٰن جموں وکشمیر

نام ونسب:

علی بن ابی طالبؑ بن عبد المطلب بن ہاشم،بن عبد مناف، بن قصي، بن كلاب بن مرة بن كعب ک بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مدر بن نزار بن معد بن عدنان"۔[1]

القاب اور کنیت:

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کُنیت "ابوالحسن" اور "ابوتراب" مشہور ہے[2]۔ آپ کا لقب "حیدر و مرتضیٰ" ہے۔

"ابوتراب" کنیت کی وجہ:

حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ اپنی لختِ جگر سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے گھر تشریف لائے اور حضرت علی المرتضی کا دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ آپ مسجد تشریف لے گئے ہیں۔ آقا پاک ﷺ حضرت علی کے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ علیہ السلام مٹی پر سو گئے تھے چنانچہ آپ کے بدن مبارک پر مٹی لگی ہوئی تھی حضور پاک اس مٹی کو صاف فرما رہے تھے اور ارشاد فرما رہے تھے:

"قُمْ یَااَبَاالتُّراب، قُمْ یَااَبَاالتُّراب"[3]"اے ابوتراب کھڑے ہو جاو، اے ابوتراب کھڑے ہو جاو"۔

والدہ ماجدہ اور خاندان:

آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہے اور کہا جاتا ہے یہ وہ پہلی ہاشمیہ عورت تھیں جس نے ہاشمی مرد کو جنم دیا[4]

حضرت طالب، عقیل اور جعفر آپ کے بھائی تھے یہ آپ سے بڑے تھے اور آپ کی دو بہنیں اُم ہانی اور جمانہ تھیں اور یہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی اولاد تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ علیہا السلام نے اسلام قبول کر لیا تھا[5]

ولادت باسعادت:

حضرت علی کی وِلادت تیرہ (۱۳) رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں ہوئی اس وقت سرورِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ کی عمر شریف تسو برس کی تھی جیسا کہ روایت میں ہے کہ:

"فَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَسَدٍ وَلَدَتْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ"[6]

"بے شک یہ اخبار تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کو کعبہ میں جنم دیا"۔

حضور ﷺ سے نسبت اور رفاقت:

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو"السابقون الاولون"میں بھی خاص مقام اور درجہ حاصل ہے، آپ "بیعتِ رضوان" اور "اصحابِ بدر"میں شامل تھے۔ آپ "عشرہ مبشرہ" جیسے خوش نصیب صحابہ کرام رضوان اللہِ علیہم اجمعین میں بھی شامل ہیں جن کو حضور ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت و خوشخبری دی۔ مکی زندگی میں آپ ہر قسم کے آزمائشوں میں حضور پاک کے ساتھ شانہ بشانہ رہے۔ آپ کا نسب حضور ﷺ کے بہت قریب ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے اور سیدہ خاتون جنت حضرت بی بی فاطمۃ

الزہراعلیہا السلام کے شوہر ہونے کی بنا پر آپ ﷺ کے داماد رسول تھے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کے والد حضرت ابو طالب اور حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔حضرت علی کو یہ سعادت حاصل تھی کہ آپ کی ابتدائی تربیت اور پرورش حضور پاک ﷺ نے فرمائی جیسا کہ "السیرۃ النبوی لابن ھھشام" میں مذکور ہے کہ:

"وَكَانَ مِمَّا أَنْعَمَ اللّٰهُ (بِهِ) عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ)قَبْلَ الْإِسْلَامِ، فَلَمْ يَزَلْ عَلِيٌّ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ)حَتَّى بَعَثَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى نَبِيًّا "[7]"اورآپ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے یہ بھی تھا کہ اسلام سے پہلے آپ حضور پاک ﷺ کے زیرِ نگرانی تربیت میں رہے اور سیدنا حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا"۔

حضور ﷺ کے ساتھ اپنی نسبتوں کا اظہار آپ نے اپنے منظوم کلام میں بھی فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ أَخِي وَصِهْرِي وَحَمْزَةُ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عَمِّي

وَجَعْفَرٌ الَّذِي يُمْسِي ويضحي يطير مع الملائكة ابن أمي

وَبِنْتُ مُحَمَّدٍ سَكَنِي وَعِرْسِي مَسُوطٌ لَحْمُهَا بِدَمِي وَلَحْمِي

وَسِبْطَا أَحْمَدَ وَلَدَايَ مِنْهَا فَأَيُّكُمُ لَهُ سَهْمٌ كَسَهْمِي

سَبَقْتُكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ طُرًّا صَغِيرًا مَا بَلَغْتُ أَوَانَ حُلُمِي[8]

"اور سیدنا محمد ﷺ میرے بھائی اور میرے خسر ہیں اور سید الشُہداء حضرت حمزہؓ میرے چچا ہیں۔ حضرت جعفر طیار جو صبح و شام فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں میرے بھائی ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی لختِ جگر میری اہلیہ اور میری زوجہ ہیں اور آپ اور میرے درمیان ناقابل نسخ حد تک پختہ رشتہ ہے۔اور سیدہ خاتونِ جنت سے سیدنا احمد مجتبٰے ﷺ کے دونواسے حسن و حسین میرے بیٹے ہیں پس تم میں سے کون میرا ہمسر ہے؟۔

میں نے تم سے پہلے اسلام کی سعادت حاصل کی اور جبکہ میں ابھی چھوٹا تھا ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں آپ علیہ السلام ہر میدان میں حضور پاک ﷺ کے ساتھ رہے، جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق وغیرہ کئی معرکوں میں آپ بے پناہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور کفارِ عرب کے بڑے نامور بہادر اور سورما آپ کی مقدس تلوارِ ذُوالفقار کی مار سے واصلِ جہنّم ہوئے ۔ اسی طرح جب غزوہ تبوک کا موقع آتا ہے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام آپ کو اپنا نائب مقرر فرماتے ہیں۔ پوری زندگی رفاقت کے بعد جب حضور پاک ﷺ نے ظاہری انتقال فرمایا تو آپ ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین کا شرف بھی آپ کے حصّے میں آیا۔

سیدنا حضرت علی علیہ السلام اور قرآن:

سیدنا حضرت علی علیہ السلام قرآن مجید کے حافظ اور اس کی ایک ایک آیت کے معنٰی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔ جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں "اللہ پاک کی کتاب (قرآن مجید) کے متعلق مجھ سے پوچھو پس میں اس کی ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں رات کے وقت نازل ہوئی یا دن کے وقت، صحرا میں یا پہاڑ پر۔[10]

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں جتنی آیات اللہ پاک نے قرآن پاک میں حضرت علی کے بارے میں نازل فرمائیں اتنی اور کسی اُمت ی کے بارے میں نازل نہیں فرمائیں۔ بطورِ برکت واستشہاد چند آیات پیش کرنا چاہوں گا:

1۔ "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ"[11] آپ ﷺ فرمادیں کہ آجاؤ ہم مل کر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو بھی اور تمہیں بھی ایک جگہ پر بلالیتے ہیں"۔

مفسرین کرام اور محدثین کے نزدیک یہاں "اَبْنَآءَنَا" سے سیدنا امام حسن اور امام حسین علیہم السلام اور "نِسَآءَنَا" سے مراد سیدہ خاتونِ جنت بی بی حضرت فاطمۃ الزہرا مراد ہیں اور ابنِ ابی حاتم اپنی مشہور زمانہ تفسیر "تفسیر قرآن العظیم" میں رقم طراز ہیں کہ "اَنْفُسَنَا" سے مراد تاجدارِ انبیاء ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ علیہما السلام مراد ہیں۔

2۔ "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"[12] آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا۔

امام جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر "در منثور" میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ابنِ مردویہ، خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب غدیر کا دن تھا تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ"[13] "جس کا مَیں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے"۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس (مذکورہ) آیت کو نازل فرمایا۔

جب سید عالم ﷺ نے حضرت علی کو اس اعزاز سے نوازا تو حضرت عمرِ فاروقؓ نے آپ سے ملاقات کی اور فرمایا:

"هَنِيْئًا لَكَ يَا ابْنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَمَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ"[14] آپ کو مبارک ہو اے ابنِ ابی طالب! آج سے آپ میرے اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا (آقا) ہیں"۔

سورہ مریم میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

3۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا"[15] بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو خدائے رحمن ان کے لیے (لوگوں کے) دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ "تفسیر مظہری" میں مذکورہ آیت کے ضمن میں امام طبرانی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

"يَجْعَلُ اللهُ تَعَالٰى مُحَبَّتَهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَائِرِ الْخَلَائِقِ غَيْرَ الْكَافِرِيْنَ" "اللہ تعالیٰ علی کی محبت سوائے کافروں کے تمام مؤمنوں اور ساری مخلوق کے دلوں میں ڈال دے گا"۔[16]

''وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ''[17] اور انہیں (صراط کے پاس) روکو، اُن سے پوچھ گچھ ہو گی''۔

امام دیلمیؒ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت نقل کی ہے کہ لوگوں سے ''حضرت علی اور اہل بیت علیہم السلام کی عظمت کے بارے میں سوال ہو گا کیونکہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

4۔ ''قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى''[18] فرمایے میں اِس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر میری قرابت اور اللہ کی قربت سے محبت چاہتا ہوں۔

5۔ ''وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ''[19] اور محفوظ رکھنے والے کان اسے یاد رکھے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، واحدی، ابن مردویہ، ابن عساکر اور امام بخاریؒ نے حضرت بریدہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ) لِعَلِيٍّ: إِنَّ اللهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أُدْنِيَكَ وَلَا أُقْصِيَكَ وَأَنْ أُعَلِّمَكَ وَأَنْ تَعِيَ وَحَقٌّ لَكَ أَنْ تَعِيَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَة''(20) اللہ کے رسول نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے علم سکھاؤں تاکہ تو اسے محفوظ رکھے پس اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی''۔

اس لیے حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ سنا اسے یاد رکھا''[21]

یہ وہ فضیلت تھی کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ مِنْ بَابِهِ''[22] ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے پس جو کوئی علم کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے دروازے سے آئے''۔

6۔ ''اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ''[23] ''بھلا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہو اس کی مثل ہو

سکتا ہے جو نافرمان ہو، نہیں یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔

ابن جریر طبری ،امام خازن اور دیگر مفسرین کے نزدیک (مومن) حضرت علی المرتضیٰ اور ولید بن عتبہ (فاسق) کے متعلق نازل ہوئی:

7۔ "فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[24] سو تم اہلِ ذکر سے پوچھا کرو اگر تمہیں خود کچھ معلوم نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "نحن اهل الذکر"، اہلِ ذکر ہم ہیں۔

8۔ "اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ"[25] وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہے اور اللہ کی جانب سے ایک گواہ (قرآن) بھی اس شخص کی تائید و تقویت کے لیے آگیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ "تفسیر مظہری" میں رقم طراز ہیں کہ:

مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ سے مراد حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ کی ذات ہے اور شاہد سے مراد حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اسی آیت کے تحت مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بلاشبہ حضرت علی تمام کمالاتِ ولایت کے مرکزی نکتہ اور قطب ہیں تمام اولیائے کرام، بلکہ صحابہ کرامؓ بھی مقام ولایت میں آپ ﷺ کے تابع ہیں۔

9۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ط فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[26] اے ایمان والو! جب تم رسول ﷺ سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ و خیرات کر دیا کرو، یہ (عمل) تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر خیرات کے لیے کچھ نہ پاؤ تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت علامہ محمود نسفیؒ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علی المرتضیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ میں یہ ایک ایسی آیت مبارکہ ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کسی نے عمل کرنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے پاس ایک دینار تھا جسے میں نے فروخت کرکے دس درہم خرید لیے، پھر میں جب آپ ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو پہلے ایک درہم صدقہ کرتا اور میں نے رسول اللہ سے دس مسائل دریافت کے، جن کے آپ نے مجھے جوابات مرحمت فرمائے:

1) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"وفا کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"لا الہ الا اللہ" کی گواہی دینا۔

2) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"فساد کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا۔

3) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"حق کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"اسلام، قرآن اور ولایت جب اس کی انتہاء تم پر ہو۔

4) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"حیلہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"ترکِ حیلہ۔

5) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"مجھ پر کیا لازم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

6) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"میں اللہ سے دعا کیسے مانگوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا"صدق اور یقین کے ساتھ"۔

7) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا"عافیت مانگ لو۔

8) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ!"اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا"حلال کھاؤ اور سچ بولو۔

9) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ !سرور کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"جنت"۔

10) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ !"راحت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا"اللہ تعالیٰ کا دیدار"۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں جب میں نے اپنی معروضات مکمل کیں تو اس آیت پاک کے وجوب کا حکم منسوخ ہو گیا۔

10۔"ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰكُمۡ صَدَقٰتٍ ط فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ط وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌ ۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ"[27] بارگاہِ رسالت میں تنہائی و رازداری کے ساتھ بات کرنے سے قبل صدقہ و خیرات دینے سے تم گھبرا گئے؟ پھر جب تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ نے تم سے باز پرس اٹھالی یعنی یہ پابندی اٹھادی تو اب نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت بجالاتے رہو اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خوب آگاہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: جب سورہ مجادلہ کی آیت نمبر:12 نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایاتو ایک دینار کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟ میں نے عرض کی وہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے پھر آپ نے ارشاد فرمایا"نصف دینار کے بارے میں کیا رائے ہے؟میں نے عرض کی وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھیں گے پھر آپ نے ارشاد فرمایا پھر تو کتنا کہتا ہے؟تو میں نے عرض کی ایک جو۔تو آپ نے ارشاد فرمایابے شک تو بہت بے رغبتی کرنے والا ہے۔آپ علیہ السلام فرماتے ہیں پھر سورۃ مجادلہ کی آیت نمبر:13 نازل ہوئی۔جس پر حضرت علی المرتضیٰ فرمایا کرتے تھے کہ "میرے سبب اللہ پاک نے اس اُمت کی تخفیف فرمادی"۔

11۔فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ج وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ"[28] سوبے شک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد سارے فرشتے بھی اُن کے مددگار ہیں۔

حضرت امام ابن مردویہؒ اور ابنِ عساکرؒ نے حضرت ابنِ عباس سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "صالح المومنین علی ابن طالب ہیں[29]

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ مزید کئی اور آیات بھی آپ علیہ السلام کی بلند شان پر دلالت کرتی ہیں۔ آیاتِ مبارکہ کے علاوہ محدثین کرام نے آپ کی شانِ اقدس کے مناقب اور فضائل میں کتبِ احادیث میں باقاعدہ ابواب باندھے ہیں جبکہ متعدد محدثین کرام نے آپ کے مناقب و فضائل اور آپ کی ارفع و اعلیٰ شان پر الگ الگ کُتب ترتیب دی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے، سیدنا امام حسن و حسین علیہما السلام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن ارقم، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جریر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اولوالعزم ہستیاں ہیں [30]۔

حضرت علی المرتضےٰ علیہ السلام سے متعلق امام بخاری اور امام مسلمؒ نے صحیحین میں جو احادیث مبارکہ بیان کی ہیں، اُن میں سے سات (۷) احادیث مبارکہ بطور حصولِ تبرک پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

1) غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضرت علی المرتضیٰ کو حضور ﷺ نے اپنے آستانہ پاک کی نگرانی کے لیے مدینہ منورہ ٹھہرنے کا حکم مبارک دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى؟ إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي[31] کیا آپ اس بات سے خوش نہیں کہ تم میرے لیے اس طرح ہو جس طرح ہارون موسیٰ کے نائب تھے مگر میرے بعد نبوت نہیں۔

2) حضور پاک ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ"[32] تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں"۔

3) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ) وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ"[33] "حضور پاک ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور آپ ﷺ

حضرت علی سے راضی تھے۔

4) غزوہ خیبر کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ، أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ، غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ"[34] کل میں ضرور جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے اور جس کے ہاتھ پر اللہ پاک فتح عطا فرمائے گا۔

5) سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے ایک دفعہ خادم کے لیے عرض کی تو آپ تشریف لائے اور سیدہ خاتونِ جنت اور حضرت علی المرتضیٰ کے کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا اللّٰهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَا"[35]

"جب تم دونوں اپنے اپنے بستر پر جانے لگو تو چونتیس [مرتبہ "اللہ اکبر"، تینتیس مرتبہ "الحمد للہ" اور تینتیس مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھا کرو یہ تمہارے لیے اس چیز سے بہتر ہے جس کا تم دونوں نے سوال کیا ہے۔

6) ایک دفعہ ایک آدمی نے حضرت عثمان غنیؓ سے حضرت علی کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ حضرت علی کا گھرانہ نبی پاک ﷺ کے خاندان میں سے ایک بہترین گھرانہ ہے۔

7) "عَنْ زِرٍّ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ (ﷺ) إِلَيَّ: أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ"[36] حضرت زرؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑ کر درخت نکالا اور جان کو پیدا کیا کہ نبی مکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "مجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہو گا اور مجھ سے وہی بغض رکھے گا جو منافق ہو گا۔

تعلیمات مبارکہ:

خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے فضائل و مناقب اور کردار و کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق روشن ہیں جس سے قیامت تک آنے والے لوگ ہدایت و راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ ویسے تو پروردہ آغوشِ نبی ﷺ، علی کی پوری زندگی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے اللہ پاک سے اس التجا کے ساتھ آپ علیہ السلام کے چند اقوال مبارکہ پیش کیے جارہے ہیں کہ اللہ پاک ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ بلاشبہ یہ سب سے اچھا ذکر ہے۔

اپنے نبی ﷺ کی ہدایت کی پیروی کرو بلاشبہ وہ افضل ہدایت ہے کتاب اللہ کو سیکھو بلاشبہ وہ افضل ہے اور دین کو سمجھو بلاشبہ وہ دلوں کی بہار ہے۔

اپنے آپ کو رخصت نہ دو غافل ہو جاؤ گے۔

میں تمہارے متعلق دو باتوں سے زیادہ خائف ہوں طول امل اور خواہشات کی پیروی سے طولِ امل (لمبی اُمیدیں) آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی پیروی حق سے دور کر دیتی ہیں۔

دنیا پرست مت بنو بلاشبہ آج عمل ہے اور حساب نہیں اور کل حساب ہے اور عمل نہیں۔[38]

انتقال مبارک:

رسول پاک ﷺ نے آپ علیہ السلام کی شہادتِ مبارکہ کی خبر پہلے ہی ارشاد فرمادی تھی اور حضرت علیؑ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا"تجھ کو اس اُمت کا بدبخت ترین شخص شہید کرے گا"

۱۷ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمن بن ملجم مرادی خارجی مردود نے نماز فجر کو جاتے ہوئے آپ علیہ السلام کی مقدس پیشانی اور نورانی چہرے پر ایسی تلوار ماری جس سے آپ شدید طور پر زخمی ہو گئے اور دو دن زخمی رہنے کے بعد جام شہادت سے شرفیاب ہو گئے۔[39] بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ۱۹ رمضان جمعہ کی رات میں آپ علیہ السلام زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان شب یکشنبہ آپ کی شہادت ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”آپ علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے فرائض سیدنا حضرت امام حسن اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہما السلام نے انجام دیے جبکہ نمازِ جنازہ آپ کے بڑے فرزند ارجمند حافظِ جمعیتِ خیر الامم سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے ادا فرمائی۔[40] آپ کا مزارِ پر انوار کوفہ کے قریب نجف کے مقام پر ہے جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے محبت اہلِ ایمان پر تا قیامت لازم ہے، جبکہ آپ سے عداوت رکھنے والے کی رسول پاک ﷺ نے مذمت فرمائی۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد میں اور امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت علی المرتضیٰؑ سے متعلق یہ دعا روایت کی ہے:

”اللّٰھم! عادِ من عاداہ و والِ من والاہ“[41] اے اللہ! تو اُس سے عداوت رکھ جو اِس علی سے عداوت رکھے اور اُسے دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے۔

حوالہ جات و توضیحات

[1]۔ تاریخ ابنِ عساکر جلد ۴۲، صفحہ ۱۴، دارالفکر۔

[2]۔ ایضاً۔

[3]۔ مسلم شریف، کتاب فضائل الصحابۃ۔

[4]۔ تاریخ الخلفاء جلد اول کتاب الخلفاء الراشدون۔

[5]۔ البدایہ والنہایہ، جلد۷، صفحہ ۲۲۲، دارالفکر۔

[6]۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ اصحابۃؓ۔

[7]۔ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، جلد اول: نشاتہ فی حجر رسول اللہ ﷺ۔

[8]۔ البدایہ والنہایہ، جلد۸، صفحہ ۸، دارالفکر۔

[10]۔ تاریخ الخلفاء، جلد اول، الخلفاء الراشدونؓ۔

[11]۔ العمران: ۶۱۔

[12]۔المائدہ:۳۔

[13]۔ترمذی،ابواب المناقب۔

[14]۔غرائب القرآن ورغائب الفرقان زیر آیت، المائدہ:٦٧۔

[15]۔مریم:٩٦۔

[16]۔تفسیر مظہری، جلد٦،زیرِ آیت "مریم:٩٦۔

[17]۔الصافات:٢۴۔

[18]۔الشوریٰ:٢٣۔

[19۔الحاقۃ:١٢۔

[20]۔تفسیر در منثور، جلد٦،زیرِ آیت "الحاقۃ:١٢۔

[21]۔تفسیر کبیر، جلد سوم،زیرِ آیت "الحاقۃ:١٢۔

[22]۔معجم الکبیر للطبرانی،باب العنز۔

[23]۔السجدہ:١٨۔

[24]۔النحل:۴٣۔

[25]۔ھود:١٧۔

[26]۔المجادلہ:١٢۔

[27]۔المجادلہ:١٣۔

[28]۔التحریم:۴۔

[29]۔تفسیر در منثور، جلد ششم زیر آیت "التحریم:۴۔

[30]۔تاریخ ابنِ عساکر جلد ۴٢، صفحہ ٣۔۴، دارالفکر۔

[31]۔مسلم شریف، فضائل الصحابہؓ،باب:من فضائل علی ابن ابی طالب۔

[32]۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب،باب:مناقب علی ابن ابی طالب۔

[33]۔ ایضاً۔

[34]۔ صحیح بخاری کتاب، الجہاد والسرایا، باب ماقلل فی لواء النبی ﷺ۔

[35]۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب الدلائل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ ﷺ۔

[36]۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلیؓ من الایمان۔

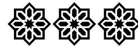
[37]۔ صحیح بخاری، کتاب: استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم۔

[38]۔ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ذکر مسرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ من المدینۃ الی البصرۃ۔

[39]۔ تاریخ ابنِ عساکر جلد ۴۲، صفحہ ۱۴، دارالفکر۔

[40]۔ تاریخ ابنِ عساکر جلد ۴۲، دارالفکر۔

[41]۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان، زیر آیت، المائدہ:۶۷۔



عبادات

رمضان المبارک اور شب قدر

غلام محمد فتح نور بخشی چھور بٹی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم السَّلَامُ عَلَیکُم وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ

ایمان بخیر۔ میرے پیارے محترم عزیز بھائیو! اور پیاری بہنو!!

اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے رمضان المبارک پوری شان اور پوری آن کے ساتھ جاری ہے اور اس کی رحمتیں، برکتیں اور مغفرتیں ہر لمحہ ہم پر نچھور ہورہی ہیں۔ اللہ پاک قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرۃ ۱۸۵)

یعنی ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت و فرقان کی واضح نشانیاں اس میں ہیں اور جو اس مہینہ میں اپنے وطن میں ہو تو اسے چاہیے روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام میں روزہ رکھے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تکلیف دینا نہیں چاہتا تاکہ تم مدت پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس کے ہدایت کرنے پر، شاید کہ تم شکر کرو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت ہے۔وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے"(البیہقی)۔گویا ادھر اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں ادھر اللہ تعالی کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو جاتی ہیں۔پھر رمضان کے وسط تک پہنچتے پہنچتے پہنچتے اللہ تعالیٰ آپ کے قصوروں سے در گزر فرمالیتا ہے اورآپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔اس طرح جب آپ رمضان کے آخر تک پہنچتے ہیں تو ادھر آپ آخری روزہ رکھتے ہیں ادھر آپ کو جہنم کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

سوال ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کیسے کریں؟اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے کوئی معین چیز نہیں ہے،صرف اتنا ہے کہ مسلمان رمضان المبارک کا استقبال خوشی و فرحت اور مسرت وشادمانی کے ساتھ کریں ذہنی اور قلبی طور پر اس ماہ مبارک میں دن کو روزے رکھنے،رات کو قیام کرنے، خوب عبادت کرنے اوراس کے فیوض وبرکات سمیٹنے کے لیے تیار وآمادہ ہو جائیں اوراللہ سبحانہ وتعالی کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک تک زندگی عطا فرمائی اور توفیق نصیب فرمائی کہ ہم بھی نیک اور صالح اعمال بجالانے والوں کے ساتھ سبقت لے جانے کی کوشش کریں کیونکہ رمضان المبارک کے مہینہ تک زندگی پہنچ جانا ایک بہت عظیم نعمت اور اللہ سبحانہ وتعالی کا احسان ہے اسی لیے ہمارے پیارے رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو رمضان المبارک آنے کی خوشخبری دیا کرتے اور اس کے فضائل بیان کرتے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس میں روزے داروں اور قیام کرنے والوں کے لیے کتنا عظیم اجر و ثواب تیار کیا ہے؟

مسلمانوں کے لیے اس بابرکت مہینہ کا استقبال کرنے کے لیے مشروع ہے کہ وہ توبہ و استغفار کرتے ہوئے اس ماہ مبارک کے روزے رکھنے اور قیام کرنے کی تیاری کریں،نیک و صالح نیت اورپختہ وسچے عزم کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے روزہ رکھنے کی نیت کریں۔

سال کے بارہ مہینوں کی مثال جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اولاد تو سب تھے لیکن

یوسف علیہ السلام سے کچھ خاص ہی راز و نیاز تھی۔ بارہ مہینوں میں رمضان المبارک کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے پھر جس طرح خدا نے اکیلے یوسف علیہ السلام کی دعا پر ان سب کو بخش دیا، اسی طرح رمضان کی برکت سے وہ باقی گیارہ مہینوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور دیکھیں کیا شان ہے یوسف علیہ السلام کی! گیارہ بیٹوں کے پاس ہوتے ہوئے، صبح شام ان سے خدمت کراتے ہوئے والد مُحترم اندھے ہو جاتے ہیں لیکن یوسف علیہ السلام کی ایک مہک ہی ان کی بینائی لوٹا دیتی ہے کوئی کوئی اولاد ایسی بھی ہوتی ہے! اگر 'یعقوب علیہ السلام کی نظر پا سکیں تو کیا بعید رمضان کے آنے سے پہلے 'رمضان کی مہک ہی آپ کی بینائی لوٹا دے۔

محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے

ملنے کا ایک موقع! امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ "بستان الواعظین" سے اقتباس)

ہمارے پیارے رسول اکرم حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جسے " ریان " کہتے ہیں اس دروازہ سے قیُامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے ان کے سوا کوئی بھی اس دروازے سے داخل نہیں ہو گا۔ کہا جائے گا روزہ دار کہاں ہیں ؟ پس وہ اٹھ کھڑے ہوں گے ان کے سوا کوئی اس دروازہ سے داخل نہ ہو گا پھر جس وقت وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر لیا جائے گا غرض اس دروازہ سے کوئی داخل نہ ہو گا "(روزے کا بیان صحیح بخاری)۔

☆ 3رمضان 10ھ کو رسول اللہ ﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا کا وصال ہوا۔ اسی تاریخ 932ھ کو میر شمس الدین عراقی کا کشمیر میں وصال ہوا۔

☆ 9رمضان حضرت شیخ نجم الدین کبری شہید ہوئے۔

☆ 10رمضان 92ھ محمد بن قاسم نے دیبل پر حملہ کیا برصغیر تک اسلامی مملکت کی ارحدیں وسیع ہوئیں۔ اسی تاریخ 1149ھ میر علی رضا سیر مک کا انتقال ہوا۔

☆ 15 رمضان 3ھ نواسہ رسول حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے جن کے ذریعے مسلمانوں میں صلح ہوئی اور مسلمانوں کے درمیان خونریزی بند ہوئی۔

☆ 17 رمضان 2ھ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا مسلمانوں کو فقید المثال کامیابی ملی۔

☆ 20 رمضان 8ھ مکہ فتح ہوا کفار و مشرکین عرب کا غرور ہمیشہ کے لیے خاک میں مل گئے۔

☆ 21 رمضان 40ھ حضرت علی شہید ہوئے اُمت سب سے بڑے عالم، عارف، عابد، زاہد فقید المثال شخصیت سے محروم ہو گئی۔

☆ 27 رمضان قرآن پاک نازل ہوا اسی دن شب قدر منایا جاتا ہے جس کی فضیلت آگے آرہی ہے۔اسی تاریخ 1947ء مملکت خداداد پاکستان وجود میں آیا۔

☆ جمعۃ الوداع منایا جاتا ہے اور نماز قضائے عمری بجالائی جاتی ہے۔

شب قدر اور اس کی فضیلت

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی قدر و منزلت اور خیر و برکت کی حامل رات ہے۔کیونکہ اس رات کو اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے اور ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ بنتے ہیں، اس لیے ”خیر من الف شھر“ کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کریم جتنا زیادہ اجر عطا فرمانا چاہے گا، عطا فرمادے گا۔اس اجر کا اندازہ انسان کے بس سے باہر ہے۔

شب قدر کا معنی و مفہوم

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ قدر کے معنی مرتبہ کے ہیں چونکہ یہ رات باقی راتوں کے مقابلے میں شرف و مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے اس لیے اسے ”لیلۃ القدر“ کہا جاتا ہے۔(تفسیر القرطبی جلد بیستم صفحہ ۱۳۰)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو تمام فیصلے فرمالیتا ہے اور

چونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سال کی تقدیر و فیصلے کا قلمدان فرشتوں کو سونپا جاتا ہے۔اس وجہ سے یہ "لیلۃ القدر" کہلاتی ہے۔(تفسیر القرطبی جلد بیستم صفحہ ۱۳۰)

اس رات کو قدر کے نام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے:اس رات میں اللہ تعالی نے اپنی قابل قدر کتاب، قابل قدر اُمت کے لیے صاحبِ قدر رسول کی معرفت نازل فرمائی۔یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں لفظ قدر تین دفعہ آیا ہے۔(تفسیر کبیر جلد بتیس صفحہ ۲۸)۔

قدر کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔اس معنی کے لحاظ سے اس رات آسمان سے فرش زمین پر اتنی کثرت کے ساتھ فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔(تفسیر الخازن جلد چہارم صفحہ ۳۹۵)۔

یہ رات کیوں عطا ہوئی؟

اس کے حصول کا سب سے اہم سبب نبی اکرم ﷺ کی اس اُمت پر شفقت اور آپ ﷺ کی غم خواری ہے۔موطا امام مالک میں ہے کہ:جب رسول پاک ﷺ کو سابقہ اُمتوں میں لوگوں کی طویل عمروں کے بارے آگاہ فرمایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے مقابلے میں اپنی اُمت کے لوگوں کی عمر کو کم دیکھتے ہوئے یہ خیال فرمایا کہ میری اُمت کے لوگ اتنی کم عمری میں سابقہ اُمتوں کے برابر عمل کیسے کر سکیں گے؟پس آپ ﷺ نے بارگاہ اقدس میں اپنی اُمت کے لیے لیے آرزو کرتے ہوئے جب یہ دعا فرمائی کہ اے میرے رب!میری اُمت کے لوگوں کی عمریں کم ہونے کی وجہ سے نیک اعمال بھی کم رہ جائیں گے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے شب قدر عنایت فرمائی۔(تفسیر الخازن، جلد چہارم صفحہ ۳۹۷)۔رسول خدا کا ارشاد پاک ہے:یہ مقدس رات اللہ تعالی نے فقط میری اُمت کو عطا فرمائی ہے سابقہ اُمتوں میں سے کسی کو بھی یہ شرف نہیں ملا۔(الدر المنثور جلد ششم صفحہ ۳۷۱)

فضیلتِ شب قدر:احادیث کی روشنی میں

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:جس شخص نے شب قدر میں اجر و ثواب کی امید

سے عبادت کی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔(صحیح البخاری جلد اول صفحہ ۲۷۰ کتاب الصیام حدیث نمبر ۱۹۱۰)

اس ارشاد نبوی ﷺ میں جہاں لیلۃ القدر کی ساعتوں میں ذکر وفکر' عبادت وطاعت کی تلقین کی گئی ہے وہاں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا گیاہے کہ عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، ریاکاری یا بد نیتی نہ ہو اور آئندہ عہد کرے کہ میں برائی کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس شان کے ساتھ عبادت کرنے والے بندے کے لیے یہ رات شب مغفرت بن کر آتی ہے۔

سیدنا انسؓ سے مروی ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: یہ جو ماہ تم پر آیا ہے' اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، گویا وہ خیر سے محروم رہا اور اس رات کی بھلائی سے وہی شخص محروم رہ سکتا ہے جو واقعتا محرومِ خیر وبرکت ہو۔(سنن ابن ماجہ ، کتاب الصیام)

ایسے شخص کی محرومی میں واقعتا کیا شک ہو سکتا ہے۔ جو اتنی بڑی نعمت کو غفلت کے سبب سے گنوا دے۔ جب انسان معمولی معمولی باتوں کے لیے کتنی راتیں جاگ کر بسر کر لیتا ہے تو اسی سال کی عبادت سے افضل عبادت کے لیے دس راتیں کیوں نہیں جاگ سکتا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: شب قدر کو جبرائیل امینؑ فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اتر آتے ہیں اور ہر شخص کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو کھڑے، بیٹھے کسی بھی حال میں اللہ کو یاد کر رہا ہو۔(شعب الایمان)۔

دیگر اہم مخفی امور مثلاً اسمِ اعظم، جمعہ کے روز قبولیت دعا کی گھڑی کی طرح اس رات کو بھی مخفی رکھا گیا۔ اگر اسے مخفی نہ رکھا جاتا تو عمل کی راہ مسدود ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ اپنے بندوں کا رات کے اوقات میں

جاگنا اور بیدار رہنا محبوب ہے' اس لیے رات متعین نہ فرمائی تاکہ اس کی تلاش میں متعدد راتیں عبادت میں گزریں۔ علاوہ ازیں ایک نہایت اہم وجہ اس کے مخفی کر دینے کی جھگڑا بھی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی حدیث میں موجود ہے: ایک مرتبہ رسالت مآب ﷺ شب قدر کے تعین کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے لیکن راستے میں دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہیں شب قدر کے بارے میں اطلاع دینے آیا تھا مگر فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے اس کا تعین اٹھالیا گیا۔ (صحیح البخاری جلد اول صفحہ ۲۷۱ کتاب الصیام حدیث نمبر ۱۹۱۹)۔

شب قدر کے تعین کے بارے میں تقریباً پچاس اقوال ہیں ان میں سے دو اقوال نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (صحیح البخاری جلد اول صفحہ ۲۷۰ کتاب الصیام حدیث نمبر ۱۹۱۳)

چونکہ اعتکاف کا مقصد بھی تلاشِ لیلۃ القدر ہے اس لیے ان آخری ایام کا اعتکاف سنت قرار دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کو جب تک اللہ تعالیٰ نے اس شب قدر کی تعین سے آگاہ نہیں فرمایا تھا آپ ﷺ اس کی تلاش کے لیے پورا رمضان اعتکاف کرتے تھے' لیکن جب آگاہ فرما دیا گیا تو وصال تک صرف آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے۔

رمضان المبارک کی ستائسویں شب شبِ قدر ہے۔ جمہور علمائے اسلام کی یہی رائے ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: علماء کا شب قدر کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے۔ (تفسیر القرطبی جلد بیستم صفحہ ۱۳۴) علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: علماء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ طاق راتوں میں سے ستائیسویں ہے۔ (روح المعانی جلد تیس صفحہ ۲۲۰)

ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور قاری قرآن حضرت ابی بن کعبؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے جو اس کی علامت بیان فرمائی ہے' وہ اسی رات میں پائی جاتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ستائیسویں کو شب قدر قرار دیتے ہوئے تین دلیلیں بیان کیا کرتے تھے۔ جس کو امام رازیؒ نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔ لفظ لیلۃ القدر کے ۹ حروف ہیں اور اس کا تذکرہ تین دفعہ ہوا ہے اور مجموعہ ۲۷ ہو گا۔ (تفسیر کبیر جلد چونتیس صفحہ ۳۰)

سورۃ القدر کے کل ۳۰ الفاظ ہیں' جن کے ذریعے شب قدر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے لیکن اس سورت میں جس لفظ کے ساتھ اس رات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ''ھی'' ضمیر ہے اور یہ لفظ اس سورۃ کا ستائیسواں لفظ ہے۔ سورت کے کل کلمات تیس ہیں اور ان میں بھی ستائیسواں کلمہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے شب قدر کے تعین کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو طاق عدد پسند ہے اور طاق عددوں میں سے بھی سات کے عدد کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کی تخلیق میں سات کے عدد کو نمایاں کیا ہے مثلاً سات آسمان، سات زمین، ہفتہ کے دن سات، طواف کے چکر سات، وغیرہ۔ (تفسیر کبیر)

شب قدر کا وظیفہ

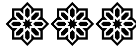
حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ شب قدر کا کیا وظیفہ ہونا چاہیئے تو آپ ﷺ نے ان الفاظ کی تلقین فرمائی: اے اللہ تو معاف کر دینے والا اور معافی کو پسند فرمانے والا ہے پس مجھے بھی معاف کر دے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ششم صفحہ ۱۸۲، ۱۷۱۔

دعوات صوفیہ کے مطابق اس رات درج ذیل اعمال بجالانا ہے۔

رات بھر قیام کرنا ہے دو دو رکعتوں پر مشتمل 100 رکعت نفل پڑھنی ہے پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد 3 بار سورہ قدر اور 10 بار سورہ اخلاص۔ ہر دو رکعتوں کے درمیاں مخصوص تسبیح بھی پڑھے۔

جو شخص رات بھر قیام نہ کرتا ہو وہ دو رکعتوں پر مشتمل 4 رکعت نفل پڑھے پہلی رکعت میں 3 بار سورہ قدر اور 25 بار سورہ اخلاص۔ ہر دو رکعتوں کے درمیان مخصوص تسبیح بھی پڑھے۔

یَآرَبُّ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم دن اور رات کی ہر ساعت میں ایسا عمل کریں جو تیرا پسندیدہ ہو، تیری رضا اور خوشنودی والا ہو، ہم پر کرم اور رحم فرما، ہمیں دُنیوی معاملات خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، آخرت میں ہمارے ساتھ عفو درگزر اوراحسان کا معاملہ فرما بیشک تو درگزر کرنے والا بڑا مسبب الاسباب، اور سمِیعُ الْعَلِیمُ ہے، یَا آ اللہ ہم سب پر اپنا خصوصی رحم و کرم فرما تا کہ ہم اچھے مسلمان بن سکیں، یَا اللہ سبحانہ و تعالی مجھ گناہ گار سمیت ہم تمام مسلمانان عالم کو نیکی کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما، ہمیں عین صراط المستقیم پر چلاتے ہوئے ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرما اور روز قیامت سب کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں تھماتے ہوئے میرے پیارے رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلّم کے پڑوس میں جگہ عطا فرما، یَا اللہ سبحانہ و تعالی ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرما، یَا اللہ ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔



تعلیم و تعلم

ذوق مطالعہ اور اس کا کردار

مولانا شکور علی انورؔ

23 اپریل کتاب بینی اور کتاب خانوں کا عالمی دن ہے اس مناسبت سے یہ مضمون اہمیت کی حامل ہے ذرا دیکھئے ہم کہاں کھڑے ہیں)

کتاب بینی کا شوق جمالات کا حصہ ہے۔ مطالعہ دراصل کسی بھی چیز کی واقفیت و آگاہی حاصل کرنے کی خاطر کتاب دیکھنا ہے۔ عام طور پر اس کا اطلاق کتاب، اخبار، جرائد اور چھوٹے بڑے رسائل کو پڑھنے پر ہوتا ہے۔لوگوں کے اخلاقی بنیاد مطالعہ کے طفیل استوار ہوتی ہے جن پر کردار سازی کا بڑا انحصار ہوتا ہے۔انسان اپنے علم میں اضافے کے ساتھ تحقیق و جستجو کے سلسلے کو آگے بڑھاتا ہے۔کتابیں قوموں کی عقلی اور شعوری احساسات اور جمال کو بڑھاتی ہیں۔ اس کے مطالعے سے انسانی شعور پروان چڑھتا ہے۔ دماغی قوی کو تخیل اور تصور کا معراج فراہم کرتا ہے۔ دوسری زباں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطالعہ تعلم، تخلق اور معلومات کا پیمانہ ہوتا ہے۔ جو اپنے علاقے کے معاشرتی، ثقافتی، قومی اور ملی ورثوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ مطالعہ دراصل معلوم سے نامعلوم کی طرف مسلسل ہونے والا ذہنی سفر ہوتا ہے۔ جس میں منزل بہ منزل نشیب و فراز، دکھ و سکھ اور محنت و مشقت کی داستان مرتب ہوتی ہے۔ جو اپنی منفرد انداز میں ممتاز خصوصیت کے ساتھ معلومات منظر عام پر لاناہے۔ اور دوسروں کو اپنے تشخص و افکار سے آگاہ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس لیے تمام اداروں کو اشاعت کتب میں برابر حصہ ڈالنا چاہیے۔ ملی اشاعت اہم ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں مضبوط سے مضبوط اداروں کا موجود ہونا بہت

ضروری ہوتا ہے۔ جو ادارے اس راہ میں سنگ میل ثابت ہوں ان کی ترقی اور استحکام کے لیے سب کو مل کر حوصلہ افزاء کام کرنا چاہیے۔ تاکہ آئندہ نسل کی تعمیری امور میں ایک قابل بھروسہ ورثہ چھوڑ سکیں۔ ان کے درمیان ہمیشہ منارہ نور ثابت ہوں لائبریریوں کے لیے خزانہ اور لوگوں کے لیے رشد و ہدایت۔

کتاب بینی انسانی زندگی کا حصہ ہے۔ تعلیم یافتہ طبقوں کا طرۂ اُمت یاز ہے ادب کتاب سے حاصل ہوتا ہے۔ ادب کے بغیر انسانی زندگی بے کار سی لگتی ہے۔ ادب سے جمالات کے کاز کو قوت ملتی ہے۔ جس کے باعث بندوں کے معاشی، معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی مسائل کو سمجھنے اور ان کے فوری حل کرنے کی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ دولت علم و صداقت سے کس کو انکار ہے۔ ایک جدید تحقیقات کے مطابق معاشرے میں کتاب بینی کا شوق اور اس کے کردار کے بارے میں روح پرور معلومات پائے جاتے ہیں کتاب اور اس کی اہمیت کے ضمن میں ۲۳ اپریل کا دن نہایت اہم شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ عالمی ادب اور کتب کے لیے یہ ایک علامتی تاریخ ہے۔ عالمی سطح پر اس دن کو کتب اور عالمی ادب پر مبنی مضامین شائع کرتے ہیں۔ اگر چہ اس کی تاریخ اور وجہ کچھ بھی ہو مگر اشاعت کتب اور ادب کے سلسلے میں فعالیت خوش آیند ہے۔ ترقی یافتہ قوموں میں کتاب بینی کا شعور اجاگر کرنے کے سلسلے میں حوصلہ افزاء کام ہوتے نظر آتے ہیں۔ ایک مشہور صحافتی ادارے کے تحت شائع ہونے والے فیچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۹۵ میں فرانس کے مشہور شہر پیرس میں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے زیر اہتمام ایک جنرل کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں اس تاریخ کی مناسبت سے دنیا بھر کے مصنفین بالخصوص نوجوان نسل کی جدید محققین و مصنفین کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا کہ یہ لوگ معاشرے کا وہ عظیم اثاثہ ہیں جو کتب بینی اور مطالعے کا شوق اجاگر کرکے لوگوں میں خوشیاں بانٹتے ہیں اور انسان کی سماجی اور ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر جدید تحقیقات کے برتے معلومات فراہم کرنے میں قابل قدر کاوشیں جاری رکھی ہوئی ہیں جن کو ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس موقع پر یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل نے اپنے پیغام میں واضح کیا تھا کہ ہمارا ادارہ کتب بینی اور مطالعے

کے شوق کے ساتھ ساتھ دوسری ثقافتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔خواہ یہ کوششیں کتب وجرائد کے ذریعے کی جائیں یا اس کے لیے ذرائع ابلاغ کے دیگر ذریعے بروئے کار لائے جائیں بالخصوص ان سرگرمیوں کی جانب، جن کے ذریعے سے بچوں اور نوجوانوں کو کتب بینی اور مطالعہ کی طرف مائل کیا جا سکے۔اس لیے یونیسکو نے کتب اور اشاعتی حقوق کا دن تخلیق کیا ہے اور اس ضمن میں رواداری، انصاف، صبر اور برداشت پر نوجوانوں اور بچوں میں لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور نئے لکھنے والے مصنفین اور محققین کے لیے خاطر خواہ انعامات بھی مختص کر رکھے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عالمی ادب کے لیے کتابوں کا ذخیرہ درکار ہے تاکہ ہمارے معاشرے میں ہم بیزار کتابی نہ ٹھہرائیں جب کہ معاشرہ جہاں علم و فن کا ذخیرہ مانگتا ہے وہاں فنکار و فن شناس کی ضرورتوں کا بھی محتاج ہے جہاں علم و ادب کا فقدان ہے تعلیم و تعلم کا بھی فقدان ہے۔جہاں نشر و اشاعت کی کمی پائی جاتی ہے وہاں جہالت اور ظلمت کا دور دورہ ہوتا ہے۔

یوں تو صوفیانہ معاشرے میں کتاب اور ادب کی اشاعت اس کی روحانی فلاسفی کو نئی نسل میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنی ہے۔اہل تصوف اور علمائے اخلاقیات کے کمالات اور ان کے روحانی آثار کے خزانوں کی بھی دریافت ہوئی ہے۔ اگر کتاب بینی کم ہو جائے تو نشر اشاعت میں خرابی کا باعث بن جائے گی اور انتشارو افتراق کا شکار ہو جائے گا اوراولیائے عظام اور انبیائے کرام کی کتابوں کو قابل ضبطی سمجھنے لگیں گے۔حاشاوکلا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ان کی تعلیمات ایسے نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں اسلام اور ایمان کی دولت سے مالامال کیا ان کے مطالعہ اور نشر و اشاعت نے ہمیں روحانی واخلاقی علاج کا راستہ دکھایا۔

قرآن پاک لاریب ایک ایسی کتاب ہے جس کی تعلیمات ابدی وسرمدی ہونے کے ساتھ ساتھ رُشد و ہدایت کا لاریب خلاصہ ہے جو اس کا مطالعہ اُس کی تلاوت اس کا افہام و تفہیم عرفانی اور صوفیانہ معاشرے کا مشن ہے کہ ہم آج جس جہالت اور نامرادی کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں وہ ایسے روح پرور مشاغل کے نہ ہونے کے

باعث افتراق اور انتشار کے شکار ہیں ۔ اسلام کا سیدھا سادہ دین گروہ بندیوں کی لازوال خرابیوں میں مبتلا ہے۔ خرابی یہی ہے کہ ہم علم و فن کے منکرین، نشرواشاعت کی افادیت سے نابلد ہیں تحقیق و جستجو کے تابناک عناصر سے محروم ہیں۔ خود پسندی اور خود فریبی کے دلدل میں گرے ہوئے ہیں۔ پھر علماء سے اصلائی احوال کی توقع رکھتے ہیں۔

مطالعے کا شوق قوموں کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پڑھنے کی عادت سے انسان محنت اور مشقت کے درخشاں راستوں کی پہچان حاصل کرسکتے ہیں۔ مطالعہ کی کمی اور نشرواشاعت کی منظم کاوشیں نہ ہونے کی وجہ سے ہم ترقی کے راہوں میں ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے اصل روح کی شناخت نہیں کرسکتے تو اس کے فضائل و مسائل کا ادراک کیسے کرسکیں گے ؟ دین اسلام میں اگرچہ شخصیت کی کوئی قدر اور کوئی عظمت نہیں ہے۔ دین کے تابناک تعلیمات کی اشاعت و تبلیغ پر موقوف ہے آپ اگرچہ حقیقت آشنا ہیں معارف سے فیضیاب ہیں یا روحانی جمالات سے بہرہ ور ہیں ان روحانی آثار اور اشاعتی ذخیروں سے موافقت ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر درست اشاعت کتب دین و دنیا کے نقصان کا باعث نہیں ہے تو علم و عرفان کے گراں قدر ذخیروں سے انکار بھی کوئی خوش آئند بات نہیں۔ اس بات کو بہر حال قبول کرنا ہوگی کہ دین کے افتراق و انتشار کی راہ میں غیروں کے طاغوتی اشارے اور اُن کی سہولت کاری نہایت قبیح فعل ہے۔ لیکن دین و ایمان کے حسن و نوادرات اور اولیائے سلف کے حسین کاوشوں سے مستفید و مستفیض ہونا گناہ نہیں ہے۔ اُن کے رویہ کا اگر اب بھی تحفظ نہ کیا گیا تو گویا ہم اپنی ٹانگوں پہ کلہاڑی سے وار کر رہے ہیں یا اپنے ہی خزانہ علمی کو اختلافات و انفراق کے تنور میں جھونک رہے ہیں ۔ بلاشبہ طاغوتی اداروں کی سہولت کاری دین اور مسلک کی بنیادوں میں تنزل پیدا کرنا اور کمزور کرنا ہے ۔ اب بھی غور و خوض کرنے اور اس کا مداوا کرنا جملہ اہل درد اور دانشمند لوگوں کی توجہ کی ناگزیر ضرورت ہے۔ علماء اور زعما کو اس راہ میں مل بیٹھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

کتاب کے مطالعہ کا شوق اجاگر کرنے کے سلسلے میں علامہ ابوالعرفان محمد بشر رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشیں

ناقابل فراموش ہیں جنھوں نے دین کی تفہیم کے سلسلے میں دعوات صوفیہ، رسالہ اعتقادیہ اور الفقہ الاحوط کا ترجمہ کر کے اُردو دان طبقہ کے لیے دین فہمی کا نادر مواقع فراہم کیا۔ آج بچہ بچہ جو اُردو پڑھ لکھ سکتا ہو، دینی مسائل اور اعمال سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ اور آپ کے ہی فیضان نظر سے نوائے صوفیہ کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی علمی بصیرت اور تدبر کی بنیاد پر لوگوں میں دینی اور مذہبی ادبیات کو فروغ ملا۔ قوم کی نئ پود میں مطالعہ کا رجحان پیدا ہوا، نوائے صوفیہ نے دیرے دیرے قومی اور ملی اتفاق و اتحاد کے لیے ساز گار فضا قائم کیا۔ آپ کے مسائل اور ان کے حل کے عنوان کے ذیل میں سوال و جواب کا جو سلسلہ قائم تھا۔ عوام و خواص کے لیے دلچسپی کا باعث بنا۔ معنوی اور لاشعوری طور پر تعلیم یافتہ طبقہ نوائے صوفیہ کے قارئین میں شامل ہو گئے۔ نہ صرف بڑوں کو دینی اور علمی مقالے پڑھنے کو ملتے رہے بلکہ طلباء و طالبات میں مطالعے اور کتاب بینی کے رجحان میں روز افزوں اضافہ ہوا۔ جناب ڈاکٹر غازی نعیم صاحب کی کوششوں سے اور ان کے رفقائے کار کی مساعی کے طفیل نوائے صوفیہ انٹر نیشنل لیول پر ماہانہ جریدے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور بچوں کے صفحات میں خطوط کا سلسلہ جاری ہوا۔ بچوں میں رسالے کی طرف دلچپسی بڑھنے لگی۔ نوائے صوفیہ اگرچہ تسلسل کے ساتھ شائع نہیں ہو سکا اس راہ میں جو مجبوریاں تھیں، وہ اپنی جگہ قابل قبول سہی مگر یہ ہمارا قومی و مذہبی المیہ ہے کہ ہم اس اکلوتے ماہنامے کو سب مل کر سب کی یکجہتی کا نمونہ نہ بنا سکے۔ پھر مقالات اور تحقیقی مضامین اور دیگر اہل علم لکھاریوں نے نوائے صوفیہ انٹر نیشنل کو عملی اور تحقیقی مقاصد کے اظہار کا ذریعہ بنایا تھا۔ اس سے بہت ہی دور رس اور حوصلہ افزا کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔

آج کل اس جریدے کے موقر صفحات میں علماو صلحائے رفتگان اور محسنین نوربخشیہ کی سوانح پر مبنی خوبصورت ایسے مقالات پڑھنے کو مل رہے ہیں جن کے مطالعہ سے فرزندان توحید برابر مستفید ہو رہے ہیں بلکہ نوربخشی دنیا کی تاریخ متعین کرنے کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔

الحمد للہ محترم یعقوب بھائی کی توجہ اور محنت سے نئے نئے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کے ساتھ

الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا وغیرہ سے مطالعہ کا شوق پورا ہونے کے مواقع حاصل ہو رہے ہیں اور بچہ بچہ کے ہاتھ موبائل ہیں نوائے صوفیہ گروپ تشکیل دیا جارہا ہے۔ آن لائن اشاعت کو پذیرائی مل رہی ہے۔ شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارے کی محنت اور کوششوں سے نوائے صوفیہ اوراس کا واٹس ایپ اور ٹیلی گرام گروپ تشکیل دی گئی ہے۔ دوسری طرف مولانا حسنو جیسے قلمکار مصنف اس میدان میں کمربستہ ہیں اور مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کا آغاز کر چکے ہیں ان کے لیے یہ سعادت مبارک ہو۔

اس سلسلے میں جمال نامہ اور صوفی نامہ جیسے خصوصی شمارے منظر عام آچکے ہیں مستقبل قریب میں یہ ضرور حوصلہ افزا خدمات سے فیضیاب کریں گے۔ بجا طور پر پھر نوائے صوفیہ عوام و خواص کو مطالعے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ اس ادارے کی وساطت سے توقع ہے دور رس اتفاق و اتحاد اور تحقیقی امور میں منظم پلیٹ فارم مہیا ہو سکتا ہے۔

نوائے صوفیہ جہاں آنے والی نسل کو ہمارے محسنین کی شناخت اور تعارف کا موقع فراہم کر رہا ہے وہاں لکھنے اور تحقیق کرنے کی طرف ان کی توجہ مبذول کروائی جارہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اس ادارے نے عوام میں ہزاروں قلمکار پیدا کر دئے ہیں جو علم و ترقی کی طرف رہنمائی اور رہبری کر رہے ہیں یہ سب قابل صد تحسین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے استفادہ کرنے اور مطالعہ کرنے اور علمی پیاس بجھانے کا سلسلہ ابھی زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ یوں اس کے مطالعے کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور اسے مزید بڑھایا جا سکتا ہے۔ کتابوں کے بارے میں ایک عمومی رائے یہ بھی ہے کہ کتابیں رسائل اور جرائد تشہیر اور اشاعت کا طاقتور ذریعہ ہے۔ مادی اور روحانی ترقی کی راہ میں مطالعہ کا مدو معاون ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ مادی مسرت و خوشحالی کے لیے عوام تک کتابی اور اصلی مواد کی بہم رسانی کو ممکن بنایا جائے تو وہاں ملت کی اشاعت و تبلیغ میں اہم کردار انجام پایا جا سکتا ہے۔

کتابوں کے اصل مواد سے عوام کو باخبر کرنے کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر کوئی اپنی ذہانت اور فطانت سے کھرے کھوٹے

کی تمیز کر سکے گا۔ جملہ درپیش مسائل سے بھی آگاہ ہو سکیں گے۔ دنیا میں مطالعے کی عادت کو پروان چڑھانے کے لیے مختلف قوموں کے بڑے بڑے ہونہار پوت کام کر رہی ہیں۔ اور بڑے بڑے محسنین اعلی وارفع مقاصد کے حصول میں سر گرداں معلوم ہوتے ہیں۔ اس قومی ہر اول میں سے جناب یعقوب بھائی نہایت ہی دلنشین انداز میں سر گرم ہیں جن کی کوششیں اور خداداد صلاحیتیں قوم کی ناگزیر ضرورتوں کو پوری کر رہی ہیں۔ ہزاروں کتابوں کی اصل اور قلمی نسخوں کی دستیابی سے بڑا علمی کارنامہ انجام پایا جارہا ہے۔ کئی نایاب قلمی نسخوں کو دریافت کر چکے ہیں اور اللہ تعالی ان کے حوصلوں کو دوچند کر دے آمین! یہ تو اپنی مالی و جانی اور علمی قربانی دے رہے ہیں۔ تاریخی حقائق سامنے آرہے ہیں تصوف اور روحانیت کے موضوع پر نشر و اشاعت اور مطالعے بھی اجاگر کرنے کے لیے اقدامات کر رہے ہیں وہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔

کتابوں کے بارے میں موجودہ دور میں یہ صورت حال پیدا ہو رہی ہے کہ مستقبل میں کوئی بھی شکل اختیار کر لیں یہ انسانی خیالات کے اظہار، تحقیق اور معلومات کا ایک موثر ذریعہ قرار پائیں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مطالعہ کی عادت انسان کو ایک خاص مقام سے متعارف کرتی ہے اور یہ مقام خود شناسی کی منزل سے گزار کر ہی آتا ہے۔ مطالعہ فطرت کے تخلیق خداوندی کا ہو یا کسی مخصوص علم و فن کا۔ آخر کار اس کا انجام انسان پر ہی ہوتا ہے۔ اس لیے پوری دنیا کے حکماء اور دانشوروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ کتابیں انسان کو جاننے اور خود کو سمجھنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ میرا مطلب اس سے یہ ہو گا کہ ہم انسان کو جاننے اور خود کو سمجھنے میں ناکامی محسوس کرنے لگے ہیں اور دوسروں کو جاننے اور سمجھنے سے ہم بیزار ہوتے جارہے ہیں۔

اے خدا کے بندو! دین سمجھنے کا نام ہے۔ عمل کرنے کا نام ہے اور عملی میدان کو وسیع کرنے کا نام ہے۔ دین کا مطلب ہمدردی ہے۔ ہمدردی دوسرے کو عمل اطاعت میں شامل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتابیں دوسری ثقافتوں میں جھانک کر دیکھنے کی کھڑکیوں کا کام دیتی ہیں ان کے ذریعے ان ثقافتوں کے نظارے دیکھے اور محسوس کئے جاتے ہیں۔ آپ کی تائید اور اختلاف سے نادر معلومات فراہم کرتی ہیں کیا ہم اپنے

آپ میں اتنے مگن ہو گئے ہیں؟ حکمائے اسلام اور اسلامی سائنسدانوں اور علمائے تحقیق و ایجاد نے ملت کو کیا دیا اور کیا کیا گل کھلائے ہیں دشمن نے آپ کے خلاف کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں کیا ہمیں کسی کی طرف دیکھنے اور سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کیا ایسا سوچنا بے سود ہے؟

کتابیں تو مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان پل کا کام سر انجام دیتی ہیں اور اقوام عالم کے درمیان مکالمہ کی فضا کو نہ صرف ہموار کرتی ہیں بلکہ اس کو خوشگوار بھی بناتی ہیں دور دور بکھرے ایک دوسرے انسان کو صرف کتابیں باہم ملا دیتی ہیں اس سے صرف مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے سے بدگمانی اور بد ظنی کے عنصر بھی دور ہوتے ہیں۔ ہم لوگ ہر کام کو شارٹ کٹ کے ذریعے کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے لوگوں سے مکالمہ اور اظہار خیال کرنے اور سننے کی استعداد کھو چکے ہیں اور ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور سننے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

بات تہذیبوں کی ہو رہی ہے تو جب تہذیبوں کے ارتقاء پر نظر دوڑائی جاتی ہے تہذیبوں کے آثار اس بات کی گواہ ہیں کشمیر کی تاریخ میں جب صوفیانہ علمی اور روحانی اقدار کی پامالی ہونے لگی تصوف کو مطعون مظعون ٹھہرایا گیا نوربخشی تاریخ میں زندہ جل گئی علمی نوادرات جلا دئے گئے صوفیہ نوربخشیہ کی تعلیمات کے معتدبہ ذخیروں کو یا تو دریا برد کئے گئے یا پوری کی پوری لائبریری کو خدام سمیت خاکستر کر دیا گیا۔ آج بھی ہم میں وہی نادانانی دہرائی جا رہی ہیں علم اور علماء دشمنی کو فخر اور مباہات کا ذریعہ سمجھا جا رہا ہے دین اور دنیا کے سنہرے نظاروں کو عداوت و نفرت کے گمبھیر بادلوں میں چھپائے جا رہے ہیں علم اور معرفت کے اصولوں کو خود پسندی اور خود فریبی اور شخصیت پرستی کے دلدلوں میں خاک آلود کر رہے ہیں۔ ذاتیات اور غرض مندی کے عفریت رہی سہی اتحاد اور جمعیت کو پراگندہ کر رہا ہے۔

دانشمندو! غور کرو اور فکر کرو آج کے جدید دور اور علمی سائنسی طاقت کی بنیاد ان قدیم روشن اصولوں پر کھڑی ہے۔ حال نو ہمیشہ ماضی سے سبق لینا ہے ہم اپنے حال کو اپنے گمنام ماضی میں بدلنے کی کوشش کی ایسا ہمارا نام

نہ تھا مقام نہ تھا۔ ہم اپنے درخشاں ماضی کو بھول چکے ہیں ہم میں پڑھنے لکھنے کی سکت نہیں سمجھنے بوجھنے کی قوت بھی باقی نہیں رہی ہے۔ ہم برداشت، وقار اور متانت کھو چکے کیونکہ یہ بھی سچ ہے کہ ایک صفحہ لکھنے کے لیے سو کتابوں کا مطالعہ درکار ہوتی ہے۔ ورنہ آپ کا لکھا ہوا صرف آپ کی من تک محدود ہو گا اور صرف آپ کے لیے مفید ہو گا۔ کیونکہ آپ نے جو لکھا ہے وہ اوپر کی روشنی میں نہیں لکھا ہے۔ چراغ تلے اندھیرے میں لکھا ہوا ہے۔ دلائل اور شہود کے بغیر لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے آپ کی تحریر سے دنیا تڑپ گئی، قوم بکھر گئی، اہل تحقیق پریشان ہوئے اور تو اور اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا محال ہو گیا کہ ہم میں مطالعہ اور کتاب بینی کے شوق کی شرح قریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ آج موبائل کی دنیا ٹیلی ویژن کے مضبوط اور منظم پروگرام کو دیکھنا بھی چھڑوا رہی ہے۔ جب ٹیلی ویژن کی سکرین آئی تو ریڈیائی نشریات کو سخت متاثر کیا بلکہ ریڈیو سننے کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا اور ریڈیو پروگرام اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ موجودہ دور میں نشرو اشاعت کے جدید سسٹم معرض وجود میں آئے ہیں۔ جدید سے جدید تر صورتحال سامنے آرہی ہیں۔ نہ جانے مستقبل قریب میں کیا سے کیا ہو جائیں گے؟

کتابوں کا مطالعہ زریں اصولوں پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ اور مطالعے کا انتخاب ضرورت کے مطابق کیا جاتا ہے، اس لیے بعض حکماء نے مطالعے کو دین و ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بتایا ہے۔ نفرت و عداوت پھیلانے کا نہیں۔ مطالعہ مثبت اشاعت دین وملت کے لیے مفید ہے۔ جس سے نئی نسل میں علمی ورثے کا انتقال ممکن ہو جاتا ہے۔ عالم تصوف میں کتاب و سنت کے اُمت زاج میں حقیقت و معرفت کی اشاعت کا نام ہے۔ ہمارے ہاں سوچ کو زندہ رکھنے کے لیے نہ سوچا ہے نہ سوچنے کا موقع تلاش کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی کوئی جامع منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ شاید اسی لیے آج ہم غیروں کی ایسی کتابیں پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں جن میں ہمارے لیے عار تھا اب ان کے عمل فلسفہ بن گیا جب کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کے مطالعے سے ان کو معارف و حقائق کے سرچشمے پھوٹتے ہوئے نظر آئے۔ اس لیے آج ہم اچھی سے اچھی کتاب خرید کر پڑھنے کی بجائے ہم مُرغ کڑاھی کھانے کو پسند کرتے ہیں۔ بچوں کو علمی اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دینے کی بجائے کھیل کود اور موبائل کے غلط فائلوں کی چھان بین پر لگا کر اخلاق وعادات کے زریں افادیت کھو رہے ہیں۔ بچوں کو بلکہ خود بڑے بڑے لوگ

بھی فیشن اور انٹرنیٹ کے بعض غلیظ مواد کے مطالعہ اور دیکھنے پر اپنا وقت اور گرانقدر دولت ضائع کر رہے ہیں۔

آخر میں چند اشعار بطور تحفہ برائے احباب پیش کرنے کو مناسب سمجھتا ہوں۔

ترے جلوؤں کی نیرنگی سے دل ہے منتشر اپنا

ہوا جاتا ہے دھندلا مطلع ذوق نظر اپنا

تصور کی حدوں سے بڑھ گیا ذوق نظر اپنا

کہ دھوکہ ہو گیا اکثر تری تصویر پر اپنا

مقام عاشقی اے بوالہوس ہے دور تر اپنا

کہاں یہ منظر پستی کہاں اوج نظر اپنا

بہر حال مطالعہ کے متعلق ہم نے جو انداز اظہار خاطر کے لیے اپنایا ہے اپنے ہی ذوق نظر سے ہے ممکن ہے اس سے بھی ذوق نظر والوں کی دل شکنی ہو۔ تحقیق اپنی جگہ مکمل نہیں تحقیق ہر جگہ روشن ہوتی ہے۔ یہ کوئی چھپی بات نہیں کہ جو بات ہم نے کی اُصول تحقیقات سے باہر نہیں کہ تحقیق اہل تحقیق کا فن ہے۔ کتاب دراصل فطرت کا حصہ ہے۔ کتاب کے بغیر کوئی بچہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا نصاب کے بغیر تربیت مکمل نہیں ہوتی۔ مضبوط نصاب سے مضبوط معاشرہ مرتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو فطری بنایا کہ الہامی کتابوں کے بھیجنے کے ساتھ ساتھ لائق معلم رسولوں کا تقرر بھی کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کتاب زندگی کا بہترین ساتھی ہے۔ ہدایت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین مبعوث فرمایا اور حسب ضرورت کتاب نازل فرمائی کتاب کا مطالعہ بھی فطری قانون میں شامل ہے۔ مطالعے کے بغیر دین کا حصول دشوار ہے۔ مطالعہ جہالت اور کم ظرفی کا شافی علاج ہے۔ تصوف کے اولیائے کرام کثیر التصانیف گزرے ہیں انہوں نے حقائق علوم اور دقائق معرفت کے پوشیدہ رازوں سے پردہ

اُٹھایا اور ان کے کمالات کا ثبوت اور حسن عمل پر شہود مل گئے دین میں علوم و آثار کے مطالعے کے درخشاں راستے کھلے ہیں۔ جدید دور میں ضرورت کے مطابق کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے ہماری ترقی رکی ہوئی ہے۔ دانا پریشان ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جدید اور ضرورت کے مطابق نصاب، متعارف کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے۔ ہمارے مدرسے گروہی ضرورتوں کو تو پورے کرتے ہیں لیکن حقائق کے عالمگیر و آفاقی خزائن اور معارف کے درخشاں دفینے پیش کرنے سے قاصر ہیں ۔ دنیا کو درکار روحانی اور باطنی ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتے۔ عالم اسلام دہشت گردی اور غنڈہ گردی کے طاغوتی قوتوں کی زد میں ہے۔ جناب درویش لاہوری علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو

خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار کرفاش

بہر حال کتابیں حقائق کے مطالعہ، معارف سے شناسائی کا ذریعہ ہے۔ فطرت ہمیں کتاب کی رہنمائی اور نگرانی میں رہنے کی دعوت دیتی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں راہ چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ فطرت کا اپنا قانون ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے

کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

معلوم ہے مطالعہ بندوں کو دنیا دکھاتا ہے۔ عقبیٰ دکھاتا ہے۔ جینے و مرنے کا مزا چکھاتا ہے۔ سکندر بناتا ہے۔ دارا بناتا ہے۔ غلامی سے نکلنے کی ہمت سکھاتا ہے۔ آب حیات کی اطلاع خضر کو عطا کرتا ہے۔ صالح افراد کی قوت سے جمعیت بناتی ہے۔ قوم تعمیر و ترقی کے زینے تب چڑھ سکتی ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرے دین کا مطالعہ کرے علم بڑھے اور ہنر مند بنے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

نشر واشاعت

نشر واشاعت کی اہمیت

ڈاکٹر عبد العزیز آزاد کشمیر

یہ مضمون 24 اکتوبر 2013 میں کسی وجہ سے ڈائری میں تحریر کیا تھا۔ مگر یہ سوچتے ہوئے کہ یہ شائع کرنے کے قابل نہیں، اس کو سرد خانے کی نذر کئے رکھا۔ آج بوجوہ پرانی ڈائری پر نظر پڑی یہ مضمون دکھائی دیا تو خیال آیا کہ اس کو نوائے صوفیہ کے آنے والے شمارے کے ذریعے نذر قارئین کیا جائے۔

قوموں کی زندگی میں تصنیف و تالیف، نشر واشاعت، مستقبل کے لیے ترقیاتی منصوبہ بندی، نئی نسل کے لیے تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں اور تحقیق و احتساب کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے انہی کے ذریعے اور انہی کے بل بوتے پر قومیں نہ صرف طاقتور ہوتی اور ترقی کرتی ہیں بلکہ دوسری قوموں کو غلام بھی بناتی اور نت نئی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے پس ماندہ بھی رکھتی ہیں چنانچہ اگر کوئی قوم تصنیف و تالیف، نشر واشاعت میں خوب حصہ لے، ترقیاتی منصوبے بنائے اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں زور شور سے جاری رکھے تو ایسی قوم کبھی بھی کسی دوسری قوم یا کسی فرد کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ اس قوم کی جگہ لے اور مذکورہ بالا میدانوں میں طبع آزمائی کی جسارت کر بیٹھے۔ کیونکہ انہیں ہمیشہ یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ ان کی کاوشوں کو جلد یا بدیر رد کر دیئے جائیں گے اور انہیں قدم قدم پر مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ ہزیمت سے دوچار ہو جائیں گے۔

اگر کوئی قوم اپنا یہ کام نہ کرے نتیجۃً اس میں کوئی طاقت نہیں ہوتی چنانچہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے محقیق اور مورخ بن کر اپنے اپنے زعم کے مطابق اس قوم کے حقائق و تعلیمات اور اعمال واشغال کو توڑ موڑ کر

پیش کریں گے اپنے ناپاک مفروضوں اور خود ساختہ تھیوریوں کو حقائق کا نام دیں گے اور اس کی اہم کتابوں کو قطع وبرید کے ذریعے افراط و تفریط سے بھر دیں گے اور حقائق کے نام سے منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے۔

مخلص محققین حتی الامکان حقائق بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنے کام میں کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی ان سے کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی سمجھنے کی صلاحیت، مخصوص ماحول، مخصوص سماج اور مخصوص نظریاتی پس منظر ہوتی ہیں۔ کبھی دوسری اقوام کے بارے بنیادی مآخذ کی بجائے ثانوی چیزیں ان تک پہنچتی ہیز چنانچہ وہ وہی رقم کرتے ہیں جو بعض اوقات ادھورا سچ ہوا کرتے ہیں۔

مذکورا بالا وجوہات اس بات کی شاہد ہے کہ تاریخ بلتستان کے ذیل میں کوئی قدیم مقامی تاریخی مآخذ موجود نہیں ہیں۔ جیسا کہ راج ترنگنی جیسی تاریخی کتاب قدیم کشمیر کی تاریخ پر ملتی ہے جو کہ مقامی باشندے کی تصنیف ہے۔ لیکن تاریخ بلتستان تبتی، چینی، کشمیری اور ہندوستانی تاریخ سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اکثر مورخین غیر بلتی اور غیر مقامی تھے۔ جیسا کہ مشہور انگریز سیاح کننگھم، جی ٹی وینی، جان بڈلیف وغیرہ۔ اسی طرح میجر براؤن، ڈیورنڈ، ڈریو فریڈرک، برنیئر، مولوی حشمت اللہ، قاضی نوراللہ شوستری اور بنات گل آفریدی نے اہم تاریخی مواد کو جمع کیا۔ ان ادوار میں کسی بلتستانی مقامی محقق کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں مختلف مقامی مصنفین نے اپنی تحقیقات کو منظر عام پر لانا شروع کیا تو انہیں زیادہ تر انہی پر دیسی حوالہ جات پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اب بڑی تاخیر کے بعد جدید زمانے کے محققین مقامی لوگوں کے انٹرویو اور مقامی کتابوں کی مدد سے تحقیقات کرنا شروع کیا ہے۔

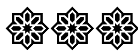
یہی حال نوربخشی تاریخ کے ساتھ بھی ہے۔ ابتدائی مرشدان طریقت تزکیہ نفس کے میدان میں عوام الناس کی تعلیم وتربیت فرمانے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور ترقیاتی منصوبہ جات کے ہمہ جہت نظام ہائے زندگی کے امام تھے۔ تو ان اولیائے کرام کے خلاف مخالفین پنجہ آزمائی سے جی کتراتے تھے۔ اس زمانے میں ان اولیائے کرام نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنا لوہا منوایا تھا اور دین اسلام کے بنیادی تعلیمات کو دور

رسالت مآب کے ہو بہو پیش کیا۔ ساتھ ہی لوگوں کو پیش آمدہ جدید مسائل کا حل قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق پیش کرتے رہے۔ مگر میر سید محمد نوربخشؒ کی رحلت 869 ہجری کے بعد نوربخشی مصنفین میں سے کسی نے اس پائے کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اسی طرح جن علاقوں میں نوربخشی مسلمان بستے رہے وہاں کی مقامی زبان میں کوئی کتاب آج تک منظر عام پر نہیں آسکی۔

میر سید محمد نوربخشؒ سے غالباً ڈیڑھ صدی بعد محمد علی کشمیری نے تحفۃ الاحباب اور بہارستان شاہی کے نام سے کتابیں تصنیف فرمائیں جو میر شمس الدین عراقیؒ کی سوانح عمری کے ساتھ ساتھ نوربخشی مستند تاریخ بھی ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ تصنیف و تالیف کا کام مکمل کئی صدیوں تک جمود کا شکار رہا۔ میر مختار اخیارؒ (متوفی 1132 ہجری) کے زمانے میں تصنیف و تالیف کا کام فارسی زبان میں ہوا۔ اور فقہ الاحوط کی شرح سراج الاسلام اور کتاب الاعتقادیہ کی شرح سراج الایمان سمیت کچھ اور عربی کتابوں کے ترجمے اور شرحیں منظر عام پر آگئیں۔ اس طرح دوبارہ مردہ جسم میں جان پڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور یہ سلسلہ میر نجم الدین ثاقبؒ متوفی 1162 کے زمانے تک جاری رہا اور میر نجم الدین ثاقبؒ نے بھی کافی آثار چھوڑے لیکن ان کے نااہل اخلاف انہیں سنبھال نہیں سکے۔ ان میں سے کافی مواد اب دستیاب نہیں۔

نجم الدین ثاقب کے بعد دوبارہ غالباً دو صدی کے لیے پھر دور انحطاط چھا گئے۔ پچھلے دو صدیوں کی محرومی کے باعث بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء نوربخشیوں کے لیے خوفناک ثابت ہوئی اور بہت مشکلات بھی ساتھ لائی۔ 1920ء کی دہائی میں بدنام زمانہ رسالہ تحفۃ تبت منظر عام پر آگئی اور نوربخشیوں کے لیے زہر قاتل کا کام کیا۔ اس زمانے میں مولوی حمزہ مرحوم اور سید قاسم شاہ مرحوم نے قلمی جہاد شروع کئے اور کئی تصانیف منظر عام پر لائے۔ بیسویں صدی عیسوی کے چوتھے اور پانچویں عشرے میں نوربخشیوں پر اغیار کی طرف سے مزید قلمی جنگ تیز ہوئی اور نوربخشیوں کو خالصۂ سرکار سمجھنے لگے۔ اس زمانے میں چار ایسی کتابیں منظر عام پر لائی گئیں جو دونوں طرفین کے مصنفین کی تحریریں تھیں۔ ان حالات نے نوربخشی اہل علم حضرات کے ضمیروں کو جنجھوڑا

اور انہوں نے اس ڈوبتی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کی ٹھان لی۔ بیسویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں نور بخشی نشاۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالنے کا آغاز ہوا۔ ان میں قابل ذکر خدمات علامہ محمد بشیر صاحب نے ادا کی اور فقہ الاحوط، کتاب الاعتقادیہ اور دعوت صوفیہ جیسی اہم کتابوں کے تراجم کئے گئے۔ اور اس کے ساتھ ماہنامہ نوائے صوفیہ جیسا شہکار رسالہ منظر عام پر لایا گیا۔ جو الحمد للہ تاحال ہمارے ذوق مطالعہ کی تسکین کا سامان بنا ہوا ہے اور قلوب و اذہان کو جلا بخش رہا ہے۔ دوسری اہم کامیابی نور بخشیہ یوتھ فیڈریشن (این وائی ایف) کا قیام ہے۔ اس پلیٹ فارم سے اب تک اگرچہ اہمیت کی حامل کوئی نشر و اشاعت کا پر گرام شروع نہیں ہوا البتہ نوجوانوں کی تعلیمی، اخلاقی اور روحانی تربیت وارتقاء میں اہم کردار ہے۔ مزید یہ کہ یہ تنظیم اپنی قوم کے لیے دفاعی حصار کا کردار بھی ادا کر رہی ہے۔ تیسری اہمیت کی حامل کام مدارس کا قیام ہے۔ اور الحمد للہ زمانہ حال میں نور بخشی مسلمان اس سلسلے میں کافی با شعور ہو چکے ہیں اور کئی اہم علمی ادارے قائم کر چکے ہیں۔ آخری چیز جس نے نور بخشیوں کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ اعتکاف و ریاضت کے نظام کی بحالی ہے۔ ہم نے اس عظیم سنت نبوی ﷺ کو ایک زمانے سے چھوڑ دیا تھا۔ آج اللہ کے فضل سے وہ چلہ خانے دوبارہ آباد ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں الحاج فقیر محمد ابراہیم مرحوم قابل داد اور لائق تحسین ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ کے طفیل آج ہزاروں فرزندان توحید نے اللہ لطیف کو ورد زبان بنالیا ہے۔ دوام وضوء، دوام توبہ اور دوام ذکر پر ہر فرد نور بخشی کاربند ہونے کو فخر سمجھتے ہیں۔



نشر مکرّر

یاد ماضی

جی ایچ معروفی، اسلام آباد

نوٹ: یاد ماضی کے نام سے آج سے 26 سال قبل شائع ہونے والے اہم مذہبی خبریں اور انڈیا کے مختلف علاقوں میں جن میں ڈیرادون، لداخ، کارگل، نوبرا کے اہل صوفیہ نوربخشیہ کی تاثرات نوائے صوفیہ میں دوبارہ شائع کیا جائے گا کیونکہ موجودہ نوجوان حلقہ نوائے صوفیہ کی ماضی کی کارکردگی سے واقف نہیں ہے لہذا ان کی معلومات میں اضافہ کے لیے یہ چیزیں ضروری ہو گئیں ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم خبر جو کہ 1995 میں شائع ہوئی تھی جسے میں نے رپورٹ کیا تھا آپ کے پیش خدمت ہے۔

نوربخشی مسلمان اہل اسلام میں سب سے زیادہ وسیع اور پر امن لوگ ہیں۔

نیشنل لائبریری آف پاکستان اسلام آباد کے جدید آڈیٹوریم میں 29 ستمبر 1995 سے 12 اکتوبر 1995 تک انٹر نیشنل سمپوزیم آن قراقرم ہندوکش، ہمالیہ ڈائنامکس آف چینج کے موضوع پر پاک جرمن ریسرچ پروجیکٹ کلچر ایریا قراقرم کے زیر اہتمام انٹر نیشنل سپوزیم منعقد ہوا جس کا افتتاح اکامی ادبیات پاکستان کے چیئر مین مسٹر فخر زمان نے کیا۔ اس موقع پر مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے۔ دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے اسکالرز نے قراقرم کے قرب وجوار میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا خاص طور پر ذکر کیا اور کہا کہ دنیا کے اس پسماندہ علاقے میں ترقیاتی کام اب شروع ہو چکے ہیں۔ تاہم ماحولیاتی بہتری کے لیے قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر جرمنی سے اسلامک اسٹڈیز کے محقق ڈاکٹر انڈریز ریک نے شمالی علاقہ جات

میں نور بخشی کمیونٹی پر تحقیقی مقالے کا موضوع THE NUR BAKHSHIS OF BALTISTAN REVIVAL OF THE OLDEST MUSLIM COMUNITY IN THE NORTHERN AREA OF PAKISTAN تھا۔ڈاکٹر ریک نے جنہیں یہ مقالہ پیش کرنے کے لیے خصوصی طور پر جرمنی سے مدعو کیا گیا تھا، کہا کہ نور بخشی سلسلہ مبلغ اسلام امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے مرید خاص اسحاق ختلانیؒ کے دور میں ان کے مرید و مرشد سید محمد نور بخش قہستانیؒ سے چلا ہے۔پہلے یہ کبرویہ سلسلہ کہلاتا تھا بعد میں نور بخشیہ کہلایا۔ یہ تصوف اسلامیہ کا اہم سلسلہ ہے۔ سید محمد نور بخش قہستانیؒ نے دو اہم کتابیں فقہ احوط اور اصول اعتقادیہ کے نام سے عربی میں تحریر کی ہیں ان کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکتب فکر اہل سنت سے بھی قریب ہے اور اہل تشیع سے بھی۔ خود سید محمد نور بخش قہستانیؒ نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ڈاکٹر ریک نے کہا نور بخش لوگ تمام اسلامی فرقوں کا یکساں احترام کرتے ہیں۔ ان کے پیروکاروں اہل سنت اور اہل تشیع کے دینی مدارس میں جا کر تعلیم حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے فارغ ہونے والے طلباء میں ذہنی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے بعض اوقات نظریاتی تصادم رونما ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ریک نے کہا بعض مصنفین کے مطابق سید محمد نور بخش قہستانیؒ کشمیر یا بلتستان نہیں آئے بلکہ ان کے بیٹے شاہ قاسم فیض بخشؒ اور ان کے مرید محمد عراقی بت شکنؒ آئے۔ تاہم نور بخش لوگوں کا خیال ہے کہ سید محمد نور بخش قہستانیؒ بلتستان وارد ہوئے تھے۔ بلتستان کے بعض قلمکاروں کا خیال ہے کہ بلتستان کے گرد و نواح میں عراقی نے اسلام پھیلایا جبکہ بعض کے نزدیک سید علی ہمدانیؒ نے اسلام کی اشاعت کی۔ تاہم تاریخ بلتستان کے مصنف غلام حسن نور بخش سہروردی کے مطابق کشمیر، لداخ اور بلتستان کے گرد و نواح میں سب سے پہلے مبلغ اسلام حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے دین اسلام کی تبلیغ کر کے ہزاروں لوگوں کو مسلمان بنایا بعد میں یکے بعد دیگرے سید محمد نور بخش قہستانیؒ اور میر شمس الدین عراقیؒ نے اسلام کو مزید استحکام پہنچایا۔ڈاکٹر ریک نے کہا بلتستان کے مختلف شہروں میں سید علی ہمدانیؒ کی بنائی ہوئی عالیشان خانقاہیں اب بھی صحیح یا خستہ حالت میں موجود ہیں۔

انہوں نے کہا نور بخشیوں کے مطابق نور بخش بلتستان کے قدیم ترین اہل اسلام میں ہیں جن کے آثار خانقاہوں کی شکل میں بلتستان کے گرد و نواح میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ روندو، گمبہ سکردو، سکردو، شگر اور خپلو کی خانقاہیں اب بھی تصوف اسلامی کے دور عروج کی کہانی سنا رہی ہے۔ سید محمد نور بخش قہستانیؒ کے بعد ان کے بیٹے شاہ قاسم فیضؒ اور میر شمس الدین عراقی نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا لیکن صفوی دور حکومت میں ایران میں ان کے عقید تمندوں کا شیرازہ بکھر ادیا گیا۔ جس کا اثر کشمیر میں پڑا اور چک حکمرانوں نے صفویوں کے اشارے پر مذہب صوفیہ کو خیر باد کہہ دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میر عراقیؒ کے دور میں مرزادو غلت نے کشمیر میں تصوف کو کچل ڈالا۔ بہت سے مقتدین قتل ہوئے کچھ نے روپوشی اختیار کی کچھ افراد فرار ہو گئے تاہم لداخ اور بلتستان کی مخصوص آب و ہوا اور قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے ان علاقوں پر یہ قتل و غارت اثر انداز نہ ہو سکی اور اب تک ان علاقوں میں نور بخشی پیروکار موجود ہیں۔ تاہم بلتستان سے بیرون دنیا میں تعلیم حاصل کر کے واپس آنے والے بعض علماء نے جن میں سید عباس، سید علی کریسی اور سید ابوالحسن قابل ذکر ہیں، نور بخش مسلک کو ترک کر کے غیر نور بخشی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان میں سید علی کریسی غیر نور بخشی ہونے کے باوجود نور بخشیوں کی امامت اور خطابت کرتے رہے لیکن در پردہ شیعت کو فروغ دیتے رہے آخر میں نور بخشیوں کی ایک بڑی آبادی کو شیعہ بنانے کے بعد اپنے اصل عقیدے کا اظہار کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ملا پشاوری نے بھی یہی حربہ اپنایا نور بخشی اور اہل حدیث کی تعلیمات کو بیک وقت دیتے رہے۔ تاریخ بلتستان کے مصنف غلام حسن نور بخشی سہروردی کے مطابق 19 وی صدی تک بلتستان میں تمام لوگ نور بخشی تھے۔ لیکن مذکورہ علماء کے دوغلاپن کی وجہ سے آہستہ آہستہ نور بخشی آبادی پچاس سے پچپن فیصد کم ہو گئی ان حالات کو دیکھ کر مولوی حمزہ علی نے جنھوں نے 1954 میں راولپنڈی میں وفات پائی۔ فلاح المومنین اور نور المومنین نامی کتابیں تحریر کیں جن میں اسلامی فرقوں کے عقیدوں کا الگ الگ تفصیل سے ذکر کیا اور مذہب صوفیہ کی جداگانہ ممتاز حیثیت کو اجاگر کیا۔ بعد میں کراچی سے ندوہ اسلامیہ صوفیہ نور بخشیہ کے زیر اہتمام علامہ محمد بشیر نے فقہ احوط اور اصول اعتقادیہ کا اردو ترجمہ شائع کر کے نور بخشیوں میں تقسیم کیا۔

جن کی وجہ سے نور بخشیوں پر بیرونی اشاعتی یلغار سے پیدا ہونے والے اثرات کچھ کم ہوئے۔ تاہم ان کی کتابوں پر اہل تشیع کے مدرسوں سے فارغ علماء نے سنی اثرات کا الزام عائد کر کے غیر مقبول بنانے میں چند لوگوں نے کردار ادا کیا ہے۔ آج کل کراچی میں ایک دینی مدرسہ بھی ہے اور اسلام آباد سے احیائے تصوف کے موضوع پر ایک جریدہ ماہنامہ نوائے صوفیہ کے نام سے جاری ہے یہ رسالہ کم عرصہ میں عوام میں کافی حد تک مقبولیت حاصل کر چکا ہے جس میں تصوف اسلامی کے مختلف موضوع پر قابل ذکر اسکالرز کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔نور بخشی مذہب کی بنیاد "آمنت باللہ و ملائیکتہ و کتبہ و رسولہ والیوم آخر" اور ان کے عقائد ہر قسم کے افراط اور تفریط سے پاک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بارہ آئمہ کو بھی ماننے والے ہیں۔ نور بخشی اپنے عقائد کے لحاظ سے اہل اسلام میں سب سے زیادہ وسیع گروہ ہیں۔نور بخشی پانچ وقت کی نماز کے بعد امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے اوراد دائرہ میں بیٹھ کر اور ایک آواز ہو کر پڑھتے ہیں۔

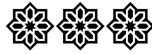
خانقاہوں میں چلہ خانے کثرت سے بنے ہوئے ہیں جہاں چلے میں بیٹھنے کا عام رواج ہے نور بخش مسلک تصوف کے سلسلوں میں سے ایک حصہ ہے جسے سلسلہ ذہب ہیں ان کے عقائد کا خلاصہ آئینہ نور بخشی کے نام سے مشہور ہے کچھ اس طرح سے ہے، بندہ خدا، ذریت آدم، ملت ابراہیم، امت محمد ﷺ، دین اسلام، کتاب قرآن، قبلہ کعبہ، متابعت سنت، محب علی، سلسلہ ذھب، مذہب صوفیہ، مشرب ہمدانیہ رویش نور بخش مرید مرشد، نور بخشیوں میں مرید و مرشد کا سلسلہ اب بھی جاری ہے ڈاکٹر ریک نے کہا نور بخشی تاریخ جو کہ تحفتہ الاحباب کے نام سے موسوم ہے محمد رضا اخوندزادہ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

سیمینار کے تیسرے دن RELATIONS WITH BALTISTAN LADAKHS; کے موضوع پر دو مقالہ نگاروں عبد الغنی اور نوانگ تسرینگ شخاسپو نے جو کہ لداخ کے شہر لیہ سے سیمینار میں شرکت کرنے آئے تھے اپنے تحقیقی مقالے تحریر کیے شخاسپو جو کہ لداخ لیہ میں بطور کلچرل آفیسر ہیں بنارس سے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ مذہب کے اعتبار سے بڈھسٹ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لداخ اور بلتستان تہذیبی اور ثقافتی

اعتبار سے یکساں نظر آتے ہیں۔ان علاقوں کے رہنے والے رہن سہن بول چال اور شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ تقسیم سے قبل ان دونوں میں مشترکہ خاندانی نظام رائج تھا۔اس موضوع پر دوسرے مقرر عبدالغنی شیخ جنہوں نے تاریخ میں ایم اے کیا ہے انگریزی میں پانچ کتابیں تصنیف کی ہیں۔لداخ کی تاریخ ثقافت مذہب زبان تمدن پر ساٹھ کے قریب مضامین اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع کیے ہیں۔آپ لداخ مسلم ایسوسی ایشن کے نائب صدر اور انجمن معین السلام سنی حنفی لیہ کے نائب صدر رہے ہیں اور اسلامیہ سکول لیہ میں پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں عبدالغنی شیخ نے اپنے تحقیقی مقالے میں لداخ اور بلتستان کی تہذیبی تمدنی اور لسانی یکسانیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی انہوں نے کہا لداخ اور بلتستان کے لوگوں کا رہن سہن، لباس، خوراک، اور شکل و صورت بھی کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔انہوں نے کہا لداخ اور بلتستان میں امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور میر شمس الدین عراقیؒ نے اسلام پھیلایا نمائندہ نوائے صوفیہ سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا لیہ شہر میں نور بخشی مسلمان کم تعداد میں ہیں جمعہ اور عید کی نمازیں اہل سنت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور محرم کے دنوں میں مجلس سننے اہل تشیع کے ہاں جاتے ہیں۔تاہم لداخ کے دیگر حصوں جن میں پرتاپ پور، تخشی، بوغدانگ، ترتوک اور چھولونکھا شامل ہیں۔نور بخشی ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

ان جگہوں پر بڑی خانقاہیں اور مسجدیں آباد ہیں جہاں لوگ پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عید کی نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں پہلے ان جگہوں میں تعلیم یافتہ لوگ کم تھے اب کافی پڑھے لکھے لوگ نکلے ہیں جن میں ڈاکٹرز بھی ہیں اور انجینئرز کی بھی کافی تعداد ہے۔انہوں نے کہا لداخ میں تمام مسلمانوں میں ہم آہنگی ہے۔مذہبی رسومات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔تمام معاشرتی مسائل باہمی تعاون سے حل کرتے ہیں اس موقع پر ادارہ نوائے صوفیہ نے کتابوں کا ایک سیٹ بطور تحفہ پیش کیا۔انہوں نے ماہنامہ نوائے صوفیہ دیکھ کر انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور اس جریدہ کے لیے مضامین بھیجنے کا وعدہ کیا۔انہوں نے کہا ہم لداخ جاکر اہل تصوف کو یہ رسالہ دکھائیں گے۔وہ بھی انشاء اللہ آپ حضرات کو خط لکھیں گے۔اس موقع پر سرینگر کے مندوب ڈاکٹر

محمد اسحاق خان جو کہ سری نگر یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں نوائے صوفیہ میں شاہ ہمدان پر اسکالرز کے مضامیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ امیر کبیر کے اوراد فتحیہ پڑھتے ہیں۔ اثبات میں جواب ملنے پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اوراد فتحیہ کی کیسٹ کی فرمائش کی جسے لیاقت علی خان صاحب نے پورا کیا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق نے کہا ہم امیر کبیر کے مقتدین باقاعدگی سے نماز فجر کے بعد اوراد فتحیہ دائرہ کی شکل میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں جس سے دلوں کو روحانی سکون ملتا ہے۔



دین اور معاشرہ

حفاظت زبان اور کم گوئی کے ثمرات

ابوالفیضان شیگری

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱۸ / ۵۰)

یعنی انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس کو محفوظ کرنے کے لیے ایک مستعد نگران ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اور اس بات کو محفوظ کرلیتا ہے۔

انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے جانداروں اور مخلوقات کے برعکس زبان سے بول کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔ قوت گویائی اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں میں سے ہے جو بنی آدمؑ کو اُمت یازی طور پر عطا کی گئی ہے۔ جس طرح ہر انعام خداوندی کے تشکر کا ایک عمدہ اظہار اس نعمت کا مثبت اور اعتدال پسندانہ استعمال ہے اسی طرح قوت گویائی کا بھی مثبت اور درست استعمال ہی پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ یعنی بہترین کلام وہ ہے جو کم ہو اور معنی خیز ہو۔ اُردو میں کم گویائی کا مفہوم کم بولنا، تول کر بولنا، سوچ سمجھ کر گفتگو کرنا اور زبان کی حفاظت کرنا ہے۔ زبان کی حفاظت کرنا اور بولنے میں احتیاط سے کام لینا کس قدر اہم ہے؟ اس کا اندازہ کلام مجید کی اوپر والی آیت سے ہوتا ہے۔

انسان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جو بھی الفاظ اس نے ادا کیا ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط وہ ہوا میں بکھر جاتا ہے اور

اب اس کی بات کہیں بھی محفوظ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس سوچ کی نفی کرتا ہے۔ کہ جو بھی بات ہم کریں خوب سوچ سمجھ کر کریں۔ کیونکہ انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات اور کمان سے نکلی ہوئی تیر دوبارہ واپس نہیں آسکتی۔ لہذا دانا حضرات کے بقول ''پہلے سوچو پھر بولو'' یا ''پہلے بات کو تولو پھر بولو'' اس لیے کہ منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات انسان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتی ہے۔ پھر بروزِ محشر اس کا اجر یا سزا مل جاتا ہے۔

قلتِ کلام کے بارے میں شاہ سید محمد نور بخشؒ فقہ الاحوط میں فرماتے ہیں کہ

وَ مِنْهَا دَوَامُ الصُّمْتِ مَعَ النَّاسِ لِمَا قَالَ ﷺ اَلْحِكْمَةُ عَشَرَةُ اَجْزَاءٍ تِسْعَةٌ مِّنْهَا فِي الصُّمْتِ وَوَاحِدٌ فِي الْعُزَلِ عَنِ النَّاسِ　　(باب الاعتکاف)

یعنی اعتکاف کے ارکان میں سے ایک لوگوں سے ہمیشہ خاموشی اختیار کرنا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت کے کل دس اجزاء ہیں ان میں سے نو خاموش رہنے میں ہے اور ایک لوگوں سے الگ رہنے میں۔ فقہ الاحوط کے اسی باب میں ہی حضور نبی کریم ﷺ کا یہ قول بھی نقل فرمایا گیا ہے کہ

كَلَامُ ابْنِ آدَمَ كُلُّهُ عَلَيْهِ لَا لَهُ اِلَّا اَمْرًا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ اَوْ ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

یعنی ابن آدم کے تمام گفتگو کا وبال اسی کی گردن پر ہے بجز اس کلام کے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا ذکر الٰہی کے کی ہو۔

اعتکاف کے ارکان میں سے ایک رکن لوگوں سے الگ تھلگ رہنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھے اور انہیں نیکی کا حکم دینے، بُرائی سے روکنے، یا ذکر الٰہی بجالانے کے سوا ابن آدم کی تمام باتیں اس کے لیے وبالِ جان ہیں اس کے لیے سود مند نہیں ہے۔ یہ انسان کی زبان ہی ہے جس سے بہت ساری گناہ سرزد ہوتی ہے۔ جھوٹ، بہتان، افترا اور غیبت جیسی بہت ساری اخلاقِ ذمیمہ کا تعلق زبان سے ہی ہے۔ اگر انسان اپنی زبان کو قابو میں رکھے تو وہ بہت سارے لغویات سے بچ سکتا ہے۔ یہ انسان کی زبان ہی ہے جس کی وجہ سے بڑی

سی بڑی لڑائیاں جنم لیتی ہیں۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابو طالب علیہ السلام کا یہ فرمان زبان کی حفاظت کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الِتّیَامُ وَلاَ یَلتَاَمُ مَنْ جَرحَ اللِّسَانُ

نیزوں کے زخم کا علاج موجود ہے مگر جو زخم زبان سے لگے اس کا علاج ناممکن ہے۔

کسی کی دل آزاری کبیرہ گناہ میں سے ہے۔ جس کا ذریعہ اور وجہ زبان ہی ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی مجھے نصیحت فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ تر خاموش رہنے کو لازم پکڑو کیونکہ یہ عمل شیطان کے حملوں سے نجات دینے والا اور دینی امور میں معاون ہے۔

اس نبوی نصیحت سے معلوم ہوا کہ شیطان کے حملوں سے بچاؤ اور دینی معاملات پر کاربند رہنے کے لیے کم گوئی ایک بہترین حربہ ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی سلامتی اور نجات کا خواہشمند ہے مگر یہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے ؟اس کے حصول کا طریقہ بھی ہمیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ہی ملتا ہے۔ کہ کم گوئی میں سلامتی اور نجات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایامَنْ صَمَتَ نَجاَ یعنی جس نے (لایعنی کلام سے) خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔ جب تک کوئی بھی چیز زبان سے اقرار نہ کرے اس پر سزا و جزا کا تعین نہیں کر سکتا۔ دعوات صوفیہ میں بھی مومن کی اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو دل کے تصدیق کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی اقرار کرے اور زبان پر اقرار کے ساتھ ساتھ عملی طور پر اسلام کے اوامر و نواحی کو سرانجام دیں۔

انسان کے منہ سے نکلے ہوئے ہر قول قابل مواخذہ ہے۔ پھر علیم وخبیر ذات کے حضور روز محشر ایک

ایک بات کا حساب دینا ہے۔ اہل حکمت کے ہاں مشہور جملہ ہے کہ کم کھانا صحت، کم بولنا حکمت اور کم سونا عبادت ہے۔ خاموش مزاجی کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بالکل ہی خاموش رہا جائے اور لوگوں سے قطع کلامی کرے، بلکہ میانہ روی سے گفتگو کرنا اور اچھا بول بولنا زبان کی حفاظت کے زمّرے میں آتا ہے۔

حضور ﷺ کو گو کہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور سر تا پا رحمت ارو مکارم االاخلاق کا منبع اور پیکر بنا کر بھیجا گیا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک جوامع الکلم کا عطا فرمانا ہے۔ جوامع الکلم ایسا کلام جس کے الفاظ کم ہو مگر مانی کے اعتبار سے بہت وسیع ہو اور اس میں آفاقی حقیقتیں بیان کی گئی ہو۔ آپ ﷺ کو جوامع الکلم کا عطا کیا جانا بھی اشارۃً تقلیل کلام کی پسندیدگی اور قبولیت ظاہر کر رہا ہے۔ انسان کی زبان ہی ہے جس سے سب سے زیادہ لغویات اور گناہ سر زد ہوتے ہیں۔ جھوٹ، افتراء، بُہتان اور غیب جیسی گناہ کا منبع و مصدر زبان ہی ہے۔ اگر زبان کو کنڑول کرے تو ان گناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم کی اکثر خطائیں اس کی زبان میں ہیں (شعب الایمان للبیہقی)

شاہ سید محمد نور بخش رحمتہ اللہ علیھا نے فقہ الاحوط باب الصوم میں اعضاو جوارح خصوصاً زبان کی حفاظت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَيَنْبَغِي اَنْ يَّحْفَظَ لِسَانَهُ مِنَ الْغِيْبَةِ وَالْكِذْبِ وَ الْبُهْتَانِ وَالْاِفْتِرَاءِ وَعَيْنَيْهِ مِنْ غَيْرِ الْمَحْرَمِ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ مِنَ الْقَبَائِحِ لِاَنَّ هٰذِهِ الْاَفْعَالَ تُحْبِطُ الْاَعْمَالَ وَاِنْ تَمْ تَفْسُدْهَا ظَاهِراً

ترجمہ! روزے کی حالت میں مناسب ہے غیبت، جھوٹ، بُہتان اور من گھڑت باتیں بنانے سے زبان کی، غیر محرم کو دیکھنے آنکھوں کی اور بُری افعال سے تمام اعضاء و جوارح کی حفاظت کرے کیونکہ یہ چیزیں اعمال کو ضائع اور ناکارہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر ہمیں بگاڑ نظر نہیں آتا ہے۔

حفظ زبان اور قلت کلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسوہ حسنہ بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ایک موقع پر حضرت عتبہ بن عامرؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجات کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اَمۡلِكۡ عَلَيۡكَ لِسَانَكَ یعنی گفتگو میں اپنی زبان کو قابو میں رکھو نجات پاؤ گے۔

ہمارے مولیٰ و آقا ﷺ نے بولنے اور خاموش رہنے میں ترجیح بھی سکھاتی ہے۔ اور اپنے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ خیر کی بات بھلائی کا حکم مثبت اور تعمیری کلام کرنا خاموشی سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ روحانی مدارج کو طے کرنے اور راہ سلوک پر گامزن رہنے کے لیے دوام کے ساتھ ذکر خفی پر زور دیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں دعوات صوفیہ میں زبان، کان اور آنکھوں کی حفاظت کے لیے کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی سّرِ حق بر ما بخند

یعنی نگاہ بصارت کو بند رکھ، کان کو سماع، غیر ذکر اللہ سے بند رکھ اور منہ کو غیر ذکر اللہ کے ورد سے بند رکھ، پھر بھی اگر اے سالک تو اسرار حق کا نظارہ (معنوی انداز سے) نہ کر سکے تو ہمارا مضحکہ اُڑائے۔

اسی طرح قرآن وحدیث میں تقلیل کلام کے ساتھ ساتھ بولنے کے آداب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ سورہ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَاقۡصِدۡ فِيۡ مَشۡيِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِيۡرِ (۱۹/۳۱)

ترجمہ! اور اپنی چال میں اعتدال رکھو اور اپنی آواز نیچی رکھ، یقیناً آوازوں میں سب سے بُری گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

اسی طرح ترُت کلام نفسیاتی طور پر مضر ہے۔ جب انسان اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے اور بغیر غور و فکر کے کلام

کئے جائے تو لازمی بات ہے کہ اس سے ایسی لغو باتیں بھی سرزد ہوں گی جن پر اسے بعد میں پچھتانا پڑ سکتا ہے۔ بارہا ایسا ہونے سے انسان کی نفسیات پر منفی اثرات مرتب ہونگے جو کئی طرح کے ناپسندیدہ افعال کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جبکہ خاموش رہنے اور کم گوئی اختیار کرنے سے انسان نفسیاتی اعتبار سے مضبوط ہوتا ہے۔ اور بختہ خیالی، وسعت فکرم اور طمانیت، قلب جیسی دولت نصیب ہوتی ہے۔ بزرگان دین نے فضول گوئی سے بچنے اور قلت کلام اختیار کرنے کا نسخہ بتا دیا ہے کہ جب بھی گفتگو کرنے لگو تو یہ سوچ کے کرو کہ کل کلاّں عدالت میں یا کسی حاکم کے سامنے اس بات کو ثابت کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ عادت پختہ ہو جانے سے انسان بت سے لغو کلام سے بچ سکتا ہے۔ اور یہ بات سائنسی طور پر بھی ثابت ہو چکی ہے کہ فضا میں انسان کی ہر بات کی لہریں موجود رہتی ہیں۔ جنکو مختلف آلات سے گرفت میں لا کر جب چاہیے دوبارہ سنا جا سکتا ہے۔ قیأمت میں جہاں افعال و اعمال کا وزن ہو گا۔ وہاں انسان کے اقوال کا بھی وزن کیا جائے گا۔ اور اُسے اس کے مطابق بدلہ ملے گا۔

ماخذ و مصادر:

- قرآن مجید
- فقہ الاحوط
- دعوات صوفیہ
- جامع ترمذی

